[illegible] اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ
15/-
روپے

ٹیلیفون: 5714546/5753666
Idara@toluislam.com
خط و کتابت
ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ) 25/بی گلبرگ 2 لاہور

بدل اشتراک
سالانہ
پاکستان 170/- روپے
غیر ممالک 800/- روپے

جلد 53 | مئی 2000 | شمارہ نمبر 05

Bank Account Number 3082-7, National Bank of Pakistan, Main Market Gulberg Branch, Lahore.

ادارت: محمد سلیم اختر

مجلس مشاورت

ڈاکٹر صلاح الدین اکبر (اردو سیکشن)
بشیر احمد عابد (اردو سیکشن)
محترمہ شمیم انور (انگلش سیکشن)

اکاؤنٹنٹ: مرزا زمرد بیگ
سرکولیشن مینیجر و کمپوزر: شعیب حسین

انتظامیہ

چیئرمین:- ایاز حسین انصاری
ناظم:- اقبال ادریس
ناشر:- عطاء الرحمان ارائیں

قانونی مشیران

عبداللہ ثانی ایڈووکیٹ
ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ
محمد اقبال چوہدری ایڈووکیٹ

پرنٹرز آفتاب عالم پریس، ہسپتال روڈ، لاہور --- فون: 7232584

فہرست

لمعات	ادارہ	3
مزدوروں کا مسئلہ	ادارہ	9
امام خانہ کعبہ کا خطبہ حج اور سر سید احمد خان	پروفیسر رفیع اللہ شہاب	13
قرآنی سوچ کی سادھنی اور حیات کی سارنگی	ڈاکٹر منظور الحق	15
میں کرسچن کیوں نہیں ہوں؟	ڈاکٹر شبیر احمد	18
دینی جماعتیں اسلامی نظام دینے میں کیوں ناکام ہیں؟	محمد اشرف ظفر	25
تکلف بر طرف	منظور احمد خان (اوسلو)	42
اپنی باگیں تھامئے	عاطف طفیل	47
طاہرہ بہن کے نام	ڈاکٹر ارشاد دانش	51
حقائق و عبر	ر۔ش	54

ENGLISH SECTION

What Does Pakistan Mean? 64

By

Aboo B. Rana Deen

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

اس ماہ کے لمعات روزنامہ جنگ کی 29 مارچ کی اشاعت کے اداریہ اور اس کے ردعمل میں لکھے گئے محترم قاضی حسین احمد، امیر جماعت اسلامی اور محترم ایاز حسین انصاری، چیئرمین تحریک طلوع اسلام کے خطوط پر مشتمل ہیں۔ ادارہ

اسلامی نظام کا عملی خاکہ بھی تو پیش کریں

مولانا شاہ احمد نورانی کی زیر صدارت ہونے والے دینی جماعتوں کے ایک اجتماع میں دو باتوں پر زور دیا گیا ہے اولاً" اسلامی نظام نافذ کیا جائے اور ثانیاً" جہاد کی حمایت ہر پاکستانی مسلمان پر فرض ہے۔ علمائے کرام کے یہ دونوں مطالبات کسی بھی پاکستانی کے لئے نئے نہیں بلکہ تحریک پاکستان کے دنوں میں مسلمانان برصغیر کی جداگانہ ریاست کے قیام کی مخالفت میں بھی علماء کی ایک بڑی تعداد متحدہ قومیت کو اسلام کی تعلیمات کے عین مطابق قرار دیتی تھی اور عام مسلمان کی توجہ مطالبہ پاکستان سے ہٹانے کے لئے حکومت الٰہیہ کے نعرے کی طرف مبذول کراتی تھی۔ نظام اسلام کی ایک داعی جماعت فرد اور قوم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسلام نافذ کرنے پر اس حد تک زور دیتی تھی کہ پاکستان کو صرف مسلمانوں کی ایک قومی ریاست ہونے کے حوالے سے "ناپاکستان" سے تعبیر کرتی تھی اور ایک جماعت خاکم بدہن قائداعظم کو اس قصور میں کافر اعظم کہنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتی تھی کہ وہ عام مولوی کے تصور اسلام کے برعکس پاکستان کے لئے پارلیمانی جمہوریت کا نعرہ کیوں بلند کرتے ہیں۔ آج بھی مجاہدین کی بعض جماعتوں کے رہنما جمہوریت کو برملا خلاف اسلام قرار دیتے ہیں مگر عجیب بات یہ ہے کہ ہر طبقہ خیال کے علماء اپنی اپنی وجوہ سے نفاذ اسلام کے مطالبہ پر تو متفق ہیں مگر اسلامی نظام، حکومت الٰہیہ، نظام مصطفیٰ اور نفاذ شریعت کے کسی ایک تصور پر متفق نہیں حتیٰ کہ وہ جہاں باہم مل کر اسلام کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں اس میں نماز کا وقت آجائے تو سب ایک ساتھ مل کر ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اور نہ صرف اپنی بلکہ اسلام کی جگ ہنسائی کا موجب بننے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

دوسری بات جو کسی عام مسلمان یا پاکستانی کی سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام عوام کو اب تک یہی نہیں بتا سکے کہ ان کے ذہن میں دین، شریعت، نظام مصطفیٰ یا حکومت الٰہیہ کا جو بھی تصور ہے وہ آج کے دور کے تقاضوں کو کس طرح احسن طور پر پورا کرتا ہے اس میں اس دور کی پیچیدہ خرابیوں اور مشکلات کو حل کرنے کے کون سے طور طریقے موجود ہیں اور ان کے ذہن میں اسلام کا کونسا ماڈل موجود ہے۔ ان کا ایک بڑا مطالبہ سود کے خاتمے کا ہے۔ سود کے حرام ہونے کے بارے میں قرآن مجید میں جو احکام موجود ہیں ان کے بارے میں کسی ذہن میں کوئی اشتباہ موجود نہیں۔ مگر

علماء حضرات خود موجودہ مالیاتی اور بنکاری کے نظام میں رائج سود کا کوئی ایسا متبادل پیش نہیں کرتے جسے اقتصادی فہم و شعور سے بہرہ ور ہر مسلمان بآسانی سمجھ کر قبول کر سکے۔ لے دے کر زیادہ تر علماء حضرات جمعہ کی چھٹی کی بحالی کو نفاذ اسلام کا ایک بڑا اور متفقہ تقاضا سمجھتے ہیں مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اسلام میں چھٹی کا تصور کہاں ہے اس کے برعکس قرآن مجید تو صرف نماز جمعہ کے لئے تھوڑی دیر تک کاروبار بند کرنے اور نماز کی ادائیگی کے بعد روزی کی تلاش کے لئے زمین میں پھیل جانے کی تعلیم دیتا ہے ہمارے نزدیک تو اسلام میں چھٹی کا کوئی تصور ہی نہیں تاہم آج کے دور میں ہفتے میں اوقات کار کی قانونی پابندی کے تحت ایک یا دو دن کی چھٹی کا جو تصور رائج ہے وہ یہودیوں کی چھ دن کے بعد یوم سبت کی چھٹی سے بالکل الگ چیز ہے اور اسے کسی بھی ملک میں اپنی ضروریات اور موسمی حالات کے مطابق کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال اس سوال کا کہ چھٹی کس روز ہونی چاہئے اسلام کی تعلیمات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

ایک اور اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ عوام سے رابطے کی جو موثر ترین صورت' علمائے کرام کو ہمارے معاشرے میں حاصل ہے' وہ کسی اور طبقے کو حاصل نہیں۔ گلی گلی اور محلے محلے میں مساجد اور مدارس موجود ہیں۔ علماء حضرات اٹھتے بیٹھتے روزمرہ کی زندگی کے ہر معاملے میں اپنے اپنے فہم و شعور کے مطابق اسلام کی تعلیمات دیتے رہتے ہیں مگر ان کی اس تبلیغ کا معاشرے میں کسی مثبت تبدیلی کی صورت میں کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا اور نہ ہی کسی محلے یا گلی کے ووٹروں نے ان علماء کو اپنی سیاسی نمائندگی کے لئے اکثریت سے منتخب کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا ہے۔ آخر ان علمائے کرام کو اسمبلیوں میں اکثریت یا موثر نمائندگی کیوں نہیں ملتی حالانکہ عام لوگ صبح و شام ان کی زبان فیض ترجمان سے نفاذ اسلام کا مطالبہ اور ان کے تجویز کردہ نظام کی افادیت کا تذکرہ سنتے آ رہے ہیں مگر اس کے باوجود انہیں نفاذ اسلام کے لئے اسمبلیوں میں بھیجنے کو تیار نہیں ہوتے۔ گویا سیاسی اعتبار سے انہیں اپنے اپنے محلوں میں بھی کوئی اثر و رسوخ حاصل نہیں مگر دعوے وہ یہ کرتے ہیں کہ ''ہم یہ نہیں ہونے دیں گے' یا وہ نہیں ہونے دیں گے''۔ آج کی دنیا تو سمٹ کر ایک صحن میں تبدیل ہو رہی ہے اور ابلاغ عامہ کے انقلاب سے ہر کوئی اچھی اور قابل عمل بات دنیا کے دور دراز گوشوں تک بآسانی پہنچا سکتا ہے۔ گویا ایک زمانے میں تبلیغی جماعتوں کو جو مشکلات درپیش تھیں وہ اب یکسر ناپید ہو چکی ہیں۔ اس لئے اگر ہمارے علماء کے پاس آج کی دنیا کے مسائل کا کوئی مکمل اور قابل عمل حل ہے تو وہ اسے دنیا کے گوشے گوشے تک کیوں نہیں پہنچا دیتے اور اس کے بجائے صرف اپنے ملک میں بعض فروعی باتوں کو ہی عین اسلام قرار دے کر فرقہ بندی' اشتعال انگیزی اور دہشت گردی میں کیوں معاون بنتے ہیں۔ اسی طرح جہاد کی حمایت ہر مسلمان کا عقیدہ ہے مگر جہاد کی تعریف پر اتفاق رائے نہ ہونے کے باعث ہی ابتداء سے جہاد کشمیر کی نوعیت اختلافی چلی آ رہی ہے۔ دوسرے ہمارے ہاں تو بعض انتہا پسند حضرات نے مسلک کے معمولی اختلافات پر قتال و جدال تک کو جہاد قرار دے رکھا ہے۔ اس صورتحال سے خائف ہو کر ہر دردمند مسلمان کی یہ خواہش ہے کہ جہاد کو مذاق نہ بنایا جائے۔ ہمارے نزدیک اگر ہمارے جید علمائے کرام سچ مچ نفاذ اسلام کے لئے بیتاب ہیں تو پھر وہ صرف اہل پاکستان کو نہیں دنیا کے فہم و شعور سے بہرہ ور حلقوں کو پوری جامعیت کے ساتھ بتائیں کہ ان کے ذہن میں اسلام کا کیا تصور ہے اگر فرقہ بندی ظلم اور شرک جیسا جرم ہے تو ہر کوئی کسی نہ کسی فرقے سے وابستگی کو ہی عین اسلام کیوں تصور کرتا ہے۔ بہت سے لوگ بجا طور پر ان حضرات سے یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر کسی دینی جماعت نے باضابطہ اور عصر حاضر کی ضرورتوں کی کفالت کرنے والا اسلامی نظام تجویز کیوں نہیں کیا' کیا اس طرح یہ حضرات پاکستان کو دنیا سے کوئی الگ

...ملک بنا کر پیش نہیں کر رہے اور اسلام کے کسی پرانے ماڈل پر ہی مصر ہیں۔ ان کی اس نوع کی تبلیغی مساعی جذباتی نعرے بازی ہی شمار ہوں گی اور ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ ان کی یہ ساری جذباتیت بھی رائے عامہ کو ان کی جانب راغب نہیں کر سکی اور ایک مدت سے نفاذ اسلام کے ان نعرے لگانے والوں کو کسی الیکشن میں عوام کی جانب سے پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی۔ ہمارے علماء جب جذباتی نعرے بازی چھوڑ کر کوئی سچ مچ کا اسلامی ماڈل پیش کریں گے جسے خود قوم کے فہمیدہ حلقے ملک و قوم کا ہی نہیں پوری انسانیت کے مسائل کا حل سمجھنے لگیں تو لامحالہ وہ عوام کی نمائندگی کے مناصب بھی بآسانی حاصل کرلیں گے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ کراچی' 29 مارچ 2000ء)

جنگ کے اداریئے "اسلامی نظام کا عملی خاکہ بھی تو پیش کیجئے" پر قاضی حسین احمد کا خط

مکرمی ایڈیٹر روزنامہ جنگ!

آپ کا آج کا اداریہ "اسلامی نظام کا عملی خاکہ بھی تو پیش کیجئے" نظر سے گزرا۔

یہ وہی مطالبہ ہے جو تشکیل پاکستان کے فوراً بعد سیکولر طبقے نے ایک چیلنج کے طور پر علماء کے سامنے رکھا تھا۔ اس کے جواب میں مختلف مکاتب فکر کے 31 جید علماء نے 22 مشترکہ نکات طے کر کے پیش کیے۔

اس سے قبل اسلامی دستور کی تدوین کے مطالبے کے نتیجے میں قرارداد مقاصد کو دستور ساز اسمبلی نے پاس کر دیا تھا۔ علمائے کرام اور دینی جماعتوں کی مشترکہ جدوجہد کے نتیجے میں 1956ء' 1962ء اور پھر 1973ء کے دستور میں اسلامی دفعات شامل کرلی گئیں۔ 1973ء کے دستور کے مطابق اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے ایک ادارہ بھی بنایا گیا جس نے اب تک مسلسل کام کیا ہے اور اس کے نتیجے میں قومی زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں اسلامی نظریہ حیات کے مطابق بیش قیمت سفارشات متفقہ طور پر پیش کر دی گئیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل میں اہل سنت و الجماعت کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے بریلوی' دیو بندی' اہل حدیث اور اہل تشیع کے مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کے علاوہ جدید قانون اور علوم پر نظر رکھنے والے ماہرین اور اہل علم بھی شامل ہیں۔

معیشت' معاشرت' سیاسی نظام' دستور' قانون' انتظامیہ' پولیس اور ملک کے تمام اداروں کے بارے میں تفصیلی سفارشات کے علاوہ اس کونسل نے اسلامی قوانین کی تدوین کے بارے میں بھی اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔

فیڈرل شریعت کورٹ کے سود کے بارے میں فیصلہ سے پہلے اور اس کے بعد حکومت نے غیر سودی معیشت کے بارے میں سفارشات طے کرنے کے لئے کمیشن بنائے۔ آخری کمیشن راجہ ظفر الحق کی قیادت میں قائم کیا گیا۔ ان کی تفصیلی رپورٹ بھی حکومت کے پاس موجود ہے۔

اس وقت علماء کا متفقہ مطالبہ یہ ہے کہ اس رپورٹ کو عملی جامہ پہنا دیا جائے اور اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹوں پر عمل درآمد کر دیا جائے۔ اسلامی نظریاتی کونسل میں چونکہ تمام مکاتب فکر کے علماء موجود ہیں اس لئے آپ کا یہ اعتراض بے معنی ہو جاتا ہے کہ علماء فرقہ بندی کی وجہ سے آپس میں کسی ایک بات پر متفق نہیں ہیں۔

جہاں تک جمعہ کی چھٹی کا تعلق ہے تو اگر اسلام میں چھٹی کا تصور موجود نہیں ہے تو اتوار کی چھٹی کیوں کی جاتی ہے۔ اگر ہفتہ میں ایک دن کی چھٹی اس مصروف دور میں ایک تہذیبی ضرورت ہے تو مسلمانوں کے ملک میں وہ دن اتوار یا ہفتہ نہیں بلکہ جمعہ ہی ہونا چاہئے جمعہ کی چھٹی حضرت عمرؓ کے زمانے سے مسلمانوں میں رائج ہے۔

جمعہ کی چھٹی ختم کر کے درحقیقت تمدنی لحاظ سے ہمیں ترکی کی طرح عالم اسلام سے کاٹ کر بھارت اور غیر مسلم دنیا کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جمعہ کے دن نوجوان ضعیف العمر بزرگوں کو سہارا دے کر مساجد میں لایا کرتے تھے۔ چھوٹے بچے بڑوں کی انگلی پکڑ کر مساجد کی رونق میں اضافہ کرتے تھے۔ جب سے جمعہ کی بجائے اتوار کی چھٹی کا اعلان کیا گیا ہے یہ رونق اور برکت ختم ہو گئی ہے۔ اسکولوں اور دفاتر سے عین نماز جمعہ کے وقت بھاگم بھاگ لوگ گھروں تک پہنچتے ہیں اور اگر کہیں ٹریفک میں پھنس جائیں تو جمعہ قضا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک انتہائی تکلیف دہ صورتحال ہے۔ حیرت ہے کہ مسلمانوں کے اس متفقہ مطالبہ کو آپ نے اس آسانی سے مسترد کر دیا ہے کہ اسلام میں چھٹی کا تصور نہیں ہے حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ چھٹی تو کرنی پڑتی ہے۔ پہلے بھی تھی اب بھی ہو رہی ہے لیکن جمعہ کو اتوار میں تبدیل کر دیا گیا ہے اس کے لئے جواز یہ پیش کیا گیا تھا کہ یورپ اور امریکہ میں چونکہ اس دن کاروبار بند ہوتا ہے اس لئے ہمیں مزید ایک دن کا نقصان برداشت نہیں کرنا پڑے گا۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں کہ وقت کے فرق کی وجہ سے یورپ' امریکہ' جاپان اور پاکستان کے بزنس کے اوقات ویسے ہی مختلف ہیں اور اگر چھٹی کا دن ایک بھی ہو جائے تو بھی 5 گھنٹے سے لے کر 12 گھنٹے کے فرق کی وجہ سے کاروباری اوقات ایک نہیں ہو سکتے۔ جہاں تک علماء کے الگ الگ نماز پڑھنے کی بات ہے تو اس سلسلے میں اطلاعاً" عرض ہے کہ منصورہ میں تمام مکاتب فکر کے علماء اکٹھے تھے سب نے مل کر نماز پڑھی ہے۔ کچھ لوگ جو جماعت میں وضو کی مصروفیت کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے انہوں نے بعد میں اپنی جماعت کرائی اور یہ منصورہ کی جامع مسجد میں روز کا معمول ہے۔ یہ تاثر صحیح نہیں ہے کہ مسلک کے اختلاف کی بنیاد پر لوگوں نے الگ جماعتیں کرائیں۔ منصورہ میں پہلی مرتبہ مختلف مکاتب فکر کے علماء اکٹھے نہیں ہوئے ہمارے ہاں روز مختلف مسلکوں سے تعلق رکھنے والے افراد کا اجتماع ہوتا ہے اور ہم الحمدللہ مل کر نماز پڑھتے ہیں۔

علماء کو اکٹھا اور متحد دیکھ کر آپ کو خوشی ہونی چاہئے تھی' مجھے افسوس ہے کہ آپ کے اداریئے سے اس کے برعکس یہ مترشح ہوتا ہے جیسے اتحاد کا منظر آپ کو ناگوار لگا ہے۔

ہم پاکستان کو دنیا سے الگ تھلگ نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان رہ کر دنیا سے اچھے تعلقات بھی قائم کریں اور اپنی دنیا اور عاقبت سنوارنے کے ساتھ ساتھ اقوام عالم کو بھی راستہ دکھانے کے قابل ہو جائیں۔

آپ کے مطالبے کا مختصر جواب یہ ہے کہ حکومت 1973ء کا دستور بحال کر دے اور اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات پر عمل درآمد کا اعلان کر دے۔

والسلام

خاکسار

(قاضی حسین احمد)

ادارہ طلوع اسلام کی طرف سے ارسال کردہ خط

محترم و مکرم ایڈیٹر "جنگ" لاہور

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کے موقر روزنامہ کی 29 مارچ 2000ء کی اشاعت کا اداریہ بعنوان "اسلامی نظام کا عملی خاکہ بھی تو پیش کریں" نظر نواز ہوا تو دل میں مسرت و انبساط اور حسرت و تاسف کے جذبات ایک ساتھ پیدا ہوئے۔ خوشی اس بات کی ہوئی کہ "طلوع اسلام" جن خیالات کا اظہار گذشتہ 52 سالوں سے کرتا چلا آرہا ہے وہی آج ملک کے قومی اخبار کی پیشانی کی زینت بن گئے ہیں۔ تاسف اس بات کا کہ 52 سال گذرنے کے باوجود ہماری مذہبی پیشوائیت اسلامی نظام تو کجا اس کا عملی خاکہ تک پیش نہیں کر سکی۔ طلوع اسلام نے ہمیشہ دین اسلام کو ایک عملی نظام کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہی باعث ہے کہ ہماری ملکی مذہبی پیشوائیت نے ہمیشہ طلوع اسلام کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ حیرت کی بات ہے ہماری مذہبی پیشوائیت مذہب کو تو خدا اور انسان کے درمیان پرائیویٹ تعلق کا نام دیتی ہے لیکن نعرہ نفاذ اسلام کا لگاتی ہے۔ ملی یکجہتی کے نام پر کھانا تو اکٹھے کھایا جاتا ہے مگر جب نماز کا وقت آتا ہے تو مختلف الجہات ہو جاتے ہیں۔

طلوع اسلام نے ہمیشہ اسلام کو ایک اجتماعی سسٹم سے تعبیر کیا ہے۔ وہ اس سسٹم کے اصول و مبادی قرآن کریم سے اخذ کرتا ہے اور اس کی جزئیات کو ملک کے احوال و ظروف اور وقت کے تقاضوں پر چھوڑتا ہے۔ طلوع اسلام نے اسلامی مملکت کا آئین بھی قرآن کی روشنی میں مرتب کیا ہے۔ معاشی اور سیاسی نظام بھی پیش کیا ہے جس کی تفصیل طلوع اسلام کی مطبوعات میں ہزارہا صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ فی الوقت آپ کی خدمت میں "قرآن کا معاشی نظام" اور "قرآن کا سیاسی نظام" دو عدد کتابچے روانہ کیے جا رہے ہیں۔ ممکن ہو تو قارئین کے استفادہ کے لئے ان کتابچوں کے متن کو اپنے موقر روزنامہ میں شائع فرما دیں۔

29 مارچ کے اداریہ کی اشاعت کے فوری بعد یعنی 30 مارچ کو جماعت اسلامی کے امیر محترم قاضی حسین احمد صاحب کا ایک خط شائع ہوا جو منتشر الخیالی کی ایک عمدہ مثال ہے۔ قاضی صاحب کی اس تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی جو پچھلے پچاس سال سے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہی ہے اور اس مقصد کے لئے اس نے متعدد ادارے قائم کر رکھے ہیں جن پر اس غریب قوم کے کروڑوں روپے خرچ ہو رہے ہیں' اسے بھی اسلامی نظام کے خاکے کا علم نہیں اور جب اسے ایسا خاکہ پیش کرنے کے لئے کہا گیا تو وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگے۔ انہوں نے اپنے خط میں جو کچھ فرمایا ہے وہ اسلامی نظام کا خاکہ تو کجا' اس کے راستے کی رکاوٹیں ہیں ان کے خط کا شق وار جائزہ حسب ذیل ہے۔

اکتیس علماء کے بائیس نکات میں کہیں بھی اسلامی نظام کا خاکہ نہیں دیا گیا بلکہ بہت سے نکات اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں' ان نکات میں حکمران طبقہ (جو فیوڈل لارڈ ہیں) سے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کیا گیا ہے' خود اس طبقے کی سرے سے اسلامی معاشرے میں گنجائش ہی نہیں تو وہ کس قسم کا اسلامی نظام نافذ کریں گے۔ ان نکات میں سب سے اہم مطالبہ یہ ہے کہ مختلف اسلامی فرقوں کا وجود تسلیم کر کے' انہیں اپنے معاملات کا اپنی نہج کے مطابق فیصلہ کرنے کی اجازت دی جائے۔ شق نمبر 9 کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود و قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی ہو گی انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہبوں کی تعلیم دینے کا حق ہو گا' وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے' ان کے شخصی معاملات کے فیصلے' ان کے اپنے فقہی

مذاہب کے مطابق ہونگے اور ایسا انتظام کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلے کریں"۔
گویا کہ جتنے فرقے ہونگے اتنے ہی اسلامی نظام ہونگے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ روم میں فرقہ بازی کو شرک قرار دیا ہے جو شریعت اسلامی کے مطابق سب سے بڑا گناہ ہے' ہمارے علماء اس گناہ کو اسلامی حیثیت دلانے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ سبحان اللہ۔ یہ کیسا اسلامی نظام ہو گا؟۔

قاضی صاحب کے خط کی دوسری اہم بات اسلامی نظریاتی کونسل کا مرتب کردہ مجموعہ قوانین ہے۔ کونسل والے تو اسے خفیہ دستاویز قرار دیتے ہیں۔ لیکن مولوی صاحبان جو اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں' تو ضرور انہوں نے اس کا مطالعہ کیا ہو گا۔ ان قوانین میں سے دو قوانین کی تو انہوں نے بڑی تعریف کی کہ خاندانی منصوبہ بندی حرام ہے اور عورت کی گواہی' شریعت میں جائز نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں قوانین اسلامی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

قاضی صاحب کے خط کا دو تہائی سے زیادہ حصہ جمعہ کی چھٹی کے بارے میں ہے' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلامی نظام کی اہم شق ہے' اس شق کو سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے نافذ کر دیا تھا۔ اس وقت ان پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ وہ سستی شہرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی جو پچاس سال سے اسلامی نظام کے نفاذ کا مطالبہ کر رہی ہے' اسے اس نظام کے خاکے تک کا علم نہیں۔ خاکہ میں یہ بتایا جاتا ہے کہ اس نظام کے تحت' سیاسی' معاشی' مالیاتی اور معاشرتی زندگی وغیرہ میں کیا تبدیلیاں لائی جائیں گی۔ کہا جائے گا کہ ان موضوعات پر جماعت اسلامی نے اپنے لٹریچر سے الماریاں بھر دی ہیں' ان کا مطالعہ کیا جائے۔ لیکن ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت اسلامی کے بانی سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو بھی اس خاکے کا علم نہیں تھا۔ مثلاً انہوں نے اسلام کے سیاسی نظام کی بنیاد اس خلاف اسلام عقیدے پر استوار کی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے حالانکہ امام ابن تیمیہ نے اس عقیدے کو کفر قرار دیا ہے۔

اسلام کے معاشی اور مالیاتی نظام کے مطابق' اس ملک کی اراضی' یہاں کے مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت ہے جو حکومت کی تحویل میں انتظام کے لئے رہتی ہے۔ مودودی صاحب اس اسلامی حکم کے خلاف زمین کی بے حد و حساب ملکیت یعنی فیوڈلزم کو خالص اسلامی قرار دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ اسلامی فلاحی مملکت کی بنیاد اس قانون پر رکھی جاتی ہے کہ اس کی اراضی کی خرید و فروخت جائز نہیں ہوتی۔ مودودی صاحب فیوڈلزم کو اسلامی قرار دے کر' اس بنیاد کو جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں۔

یہ ہے جماعت اسلامی کے نظام کا خاکہ! کیا یہ کسی طرح بھی سرمایہ دارانہ نظام سے مختلف ہے۔ اگر اسلام کے نام پر یہی نظام ہی نافذ کرنا ہے تو پھر اس جدوجہد کی ضرورت ہی کیا ہے جو جماعت اسلامی کر رہی ہے۔ اس جانکاہ جدوجہد کے نتیجے میں اگر وہی سرمایہ داری اور جاگیرداری ہی نافذ کرنی ہے تو پھر جماعت اسلامی کی جدوجہد کا ایک ہی مقصد رہ جاتا ہے اور وہ ہے حصول اقتدار۔

فی الحقیقت یہ لوگ جان بوجھ کر اسلام کے نظام کا عملی خاکہ سامنے نہیں آنے دیتے جس کے بنیادی اصول قرآن کریم میں نہایت وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس نظام میں خود اس گروہ یعنی مذہبی پیشوائیت کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔ اس لئے ان کو یہی سرمایہ دارانہ نظام ہی وارے آتا ہے جس میں یہ لوگوں کو ورغلا کر اپنا الو سیدھا کر سکتے ہیں۔ والسلام

خیر اندیش
(ایاز حسین انصاری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مزدوروں کا مسئلہ

قریب قریب ساری دنیا میں' ہر سال' یکم مئی کو ایک تقریب منائی جاتی ہے جسے "مزدوروں کا دن" کہا جاتا ہے۔ پس منظر اس کا یہ ہے کہ قریب ایک صدی پہلے شکاگو (امریکہ) کے ایک کارخانے کے مزدوروں نے اپنی حقوق طلبی کے لئے مظاہرہ کیا۔ پولیس (یا شاید فوج) سے ان کا تصادم ہوا جس میں کچھ مزدور ہلاک ہو گئے۔ یہ یکم مئی کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد' ہر سال' دنیا کے مزدور' اس دن کو بطور یادگار مناتے ہیں۔

اگر اسی نوے سال ادھر سے نہیں' تو کم از کم چالیس پچاس سال ادھر سے صورت یہ ہو رہی ہے کہ مزدور اپنے مطالبات پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تسلیم کر لئے جاتے ہیں۔ کچھ مسترد۔ پچھلے مطالبات پورے ہوتے ہیں تو ان کی فہرست میں جدید مطالبات کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ ان کے ساتھ ہی مزدوروں کے اضطرابات بھی اسی نسبت سے شدید ہو جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ پہلے اسے قوت کے زور سے دبانے کی کوشش کی گئی۔ وہ ناکام رہی۔ اب گفتگوئے مصالحت سے' آجر اور مستاجر میں مفاہمت کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ وہ بھی اکثر و بیشتر ناکام رہتی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ (اگر سو سال نہیں تو کم از کم) پچاس ساٹھ سال سے یہ کشمکش جاری ہے' اس کا اطمینان بخش حل کیوں نہیں ملتا! جواب اس کا صاف اور واضح ہے کہ جب تک مزدور کو مزدور سمجھا جائے گا' اس کا حل نہیں مل سکے گا۔ مزدور سے مراد ہے (مزد + ور یعنی) اجرت پانے والا۔ آجر (اجرت دینے والے) نے تو اسے (مزد + ور) سمجھنا ہی تھا' حیرت ہے کہ خود مزدور بھی اپنے آپ کو مزدور ہی سمجھتا ہے اور قطعاً" نہیں سوچتا کہ ایسا سمجھنے سے وہ اپنے آپ کو کس مقام پر لے آتا ہے۔ نظام سرمایہ داری کا مدار "اجرت" کے نظریہ پر ہے۔ یعنی اس نظام میں ایک فریق آجر (اجرت دینے والا) اور دوسرا اجرت لینے والا ہوتا ہے جسے مزدور یا (ورکر) کہا جاتا ہے۔ اس نظام میں مزدور کو اس کی محنت کا "معاوضہ" دیا جاتا ہے۔ کام کرنے والے کی محنت کا معاوضہ کتنا ہونا چاہئے۔ اس کا تعین سرمایہ دار کرتا ہے۔ اس کے لئے کوئی معیار مقرر نہیں۔ یعنی اس کا کوئی معیار مقرر نہیں کہ مزدور کو (مثلاً) پانچ روپے روز کیوں دیئے جائیں۔ دس روپے کیوں نہیں؟ اس کا سارا دارومدار طلب (Demand) اور رسد (Supply) پر ہے۔ یعنی اگر بیکار مزدوروں کی تعداد زیادہ ہے تو وہ پانچ روپے روز پر بھی کام کرنے کو تیار ہو جائیں گے۔ اگر کم ہے تو وہ زیادہ اجرت مانگیں گے۔ چونکہ "کم یا زیادہ" ماپنے کا کوئی پیمانہ مقرر نہیں' اس لئے مزدور کی کوششیں' یا کم از کم خواہش' ہو گی کہ اسے زیادہ سے زیادہ اجرت ملے اور آجر کی کوشش کہ اسے کم از کم دیا جائے۔ مزدور کو کچھ بھی دیا جائے وہ محسوس کرتا ہے کہ اسے کم ملا ہے۔ اس کے مقابلہ میں آجر سمجھتا ہے کہ اس سے زیادہ کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ یہ ہے اس تصادم کی بنیادی وجہ۔ اگر کوئی معیار مقرر ہو تو اس سے کم دینا' ظلم یا ناانصافی کہلائے گا اور اس سے زیادہ مانگنا ناجائز مطالبہ۔ لیکن جب کوئی معیار ہی مقرر نہ ہو تو کوئی کہہ ہی نہیں سکے گا کہ انصاف ہو رہا ہے یا نہیں۔ (مثلاً) کپڑا ماپنے کا پیمانہ گز ہے۔ اگر گاہک ایک گز کی

قیمت ادا کرے اور دکاندار اسے پندرہ گرہ کپڑا دے تو کہا جائے گا کہ اس نے کپڑا کم دیا ہے اور اگر گاہک سترہ گرہ کپڑا مانگے تو اس کا مطالبہ ناجائز قرار دیا جائے گا۔ کیونکہ وہ زیادہ طلب کر رہا ہے۔ لیکن اگر گز ہی نہ ہو تو کم اور زیادہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہو گا۔ معیار یا پیمانے کے بغیر اجرت، گز کے بغیر کپڑے کی خرید و فروخت ہے۔ جس میں جھگڑے کا امکان مستقلاً رہتا ہے۔ انصاف کسی خارجی معیار سے ماپا جاتا ہے۔

اقتدار اگر سرمایہ داروں کے بجائے اشتراکیت کے ہاتھ میں آجائے تو بھی مزدور کی حالت ویسی ہی رہے گی۔ آجر اور مستاجر کی کشمکش ختم نہیں ہو گی۔ یہ کشمکش اسی صورت میں ختم ہو سکتی ہے کہ اجرت کا تصور ختم کر دیا جائے۔

اور یہ، صرف، قرآن کے معاشی نظام میں ہو سکتا ہے۔ اس نظام میں نہ آجر و مستاجر کا امتیاز باقی رہتا ہے، نہ اجرت کا سوال۔ اس میں ہر فرد معاشرہ کی ضروریات زندگی کا مہیا کرنا۔ نظام حکومت کے ذمہ ہوتا ہے۔ اس میں کام کرنے والوں کو، ان کے کام کی اجرت نہیں ملتی۔ ان کی ذمہ داری کام کرنا ہوتا ہے اور ارباب نظم و نسق کی ذمہ داری ان کی ضروریات زندگی کا پورا کرنا۔ یہ وہ قرآنی اصول تھا جس کے پیش نظر، نبی اکرمؐ مال غنیمت، میں سے غیر شادی شدہ سپاہی کو ایک حصہ دیتے تھے اور اہل و عیال والے کو دو حصے۔۔۔ یعنی اس کی اور اس کے اہل و عیال کی ضروریات کے مطابق حصہ۔ (یہ اس نظام کی ابتدائی صورت تھی) یہ وہ دنیا کا عظیم محسن تھا (**علیہ الصلوٰۃ والسلام**) جس نے "اجرت" کی جگہ "ضرورت" کا اصول دے کر، مزدور کے تصور کو ختم کر دیا اور اس کے ختم ہو جانے سے وہ تصادم خود بخود رفع ہو گیا جس نے سارے کرہ ارض کو فساد گاہ بنا رکھا ہے۔ پھر اس نظام میں، محنت کشوں (کام کرنے والوں) (Workers) کا کوئی الگ گروہ نہیں ہوتا۔ اس میں ہر فرد معاشرہ (بجز ان کے جو کسی طرح کام کرنے سے معذور ہوں) کام کرتا ہے۔ اس لئے اس میں سب محنت کش یا (کاسب) ہوتے ہیں۔ سوچئے کہ جب ہم معاشرہ کے محنت کشوں یا ورکرز کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ معاشرہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو (بلا عذر) محنت یا کام نہیں کرتے۔ قرآن کے معاشی نظام میں یہ تفریق بھی باقی نہیں رہتی۔ اس میں سب محنت کش یا ورکرز ہوتے ہیں۔ تقسیم عمل کے اصول کی رو سے، کام کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ لیکن اس میں محنت کشوں یا کام کرنے والوں کا الگ طبقہ نہیں ہوتا۔ معاشرہ میں اس قسم کی طبقاتی تقسیم و تفریق بھی اجرت کے تصور کی پیدا کردہ ہے۔ جب اسے ختم کر دیا جائے تو طبقاتی تفریق بھی ختم ہو جاتی ہے۔

اس قسم کے غیر طبقاتی معاشرہ کے ضمن میں ایک سوال یہ پیدا ہو گا کہ جس شخص کی ضروریات زندگی، کم ہیں (مثلاً) وہ مجرد ہے یا اس کا ایک آدھ بچہ ہے) اور دوسرے کی ضروریات نسبتاً زیادہ، تو کم ضروریات والا زیادہ ضروریات والے کے برابر محنت کیوں کرے گا؟ یعنی جب اسے ملنا تھوڑا ہے تو وہ جان مار کر محنت کیوں کرے گا۔ اس کا جواب دنیا کا کوئی قانون نہیں دے سکتا۔ اس کا تعلق دل کی آمادگی سے ہے اور قانون یا دیگر خارجی محرکات، کسی کو کام کرنے پر مجبور تو کر سکتے ہیں، آمادہ نہیں کر سکتے۔ دنیا نے اس کا علاج "بھوک" سوچا۔ یعنی کام کرنے والے کو بھوکا مارا جائے تاکہ وہ کام کرنے پر مجبور ہو جائے۔ لیکن جس نظام میں ہر فرد کی ضروریات زندگی پوری ہوتی رہیں اور کوئی بھوکا نہ رہے۔ اس میں وہ کون سی قوت ہو گی جو محنت کش کو اس پر مجبور کر دے کہ وہ جان مار کر محنت کرے۔ سوشلزم کے پاس بھی اس کا کوئی حل نہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ نظام سرمایہ داری کی اس قدر سنگین اور شدید مخالفت کے باوجود، اسی نظام کے اصول اجرت کو اپنانے پر مجبور ہے۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے۔ اس کا تعلق دل کی آمادگی سے ہے اور دل کی آمادگی داخلی تبدیلی سے پیدا ہوتی ہے، نہ کہ خارجی قوانین و محرکات سے۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں اشتراکیت اور قرآنی نظام کے راستے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اشتراکی نظام کی بنیاد اسی نظریہ حیات پر ہے جس کی رو سے سمجھا جاتا ہے کہ

بس یہی طبعی زندگی ہے۔۔۔ یعنی حیوانی زندگی۔۔۔ جس طرح حیوانات میں داخلی یا قلبی تبدیلی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔۔۔ ان سے بزور قوت یا بھوکا رکھ کر کام لیا جاتا ہے۔ اس طرح زندگی کو فقط طبعی زندگی ماننے والوں میں بھی قلبی تبدیلی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس' قرآن کا نظریہ حیات یہ ہے کہ زندگی صرف طبعی زندگی نہیں' جس کا موت کے ساتھ خاتمہ ہو جاتا ہے۔ زندگی' مرنے کے بعد بھی آگے چلتی ہے اور اس کا مقام ان کاموں کے نتیجہ کی رو سے متعین اور مرتب ہوتا ہے جو انسان اس دنیا میں کرتا ہے اسے حیات آخرت یا قانون مکافات عمل پر ایمان کہا جاتا ہے۔ اس نظریہ (یا ایمان) کی رو سے' جو شخص یہاں جس قدر زیادہ' اور قرآن کے متعین کردہ اصولوں کے مطابق کام کرتا ہے اس کی اگلی زندگی اتنی ہی زیادہ سنورتی اور نکھرتی ہے۔ قرآنی نظام جب افراد معاشرہ کو رزق (زندگی کی طبعی ضروریات) کی طرف سے مطمئن کر دیتا ہے تو وہ اپنی ساری توجہ اور توانائی اس کام کے سرانجام دینے میں صرف کر دیتے ہیں جو ان کی تفویض میں دیا گیا ہو۔ اس کے لئے نہ ان پر کسی نگران یا داروغہ مقرر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہ کسی خارجی محرک کی حاجت۔ آپ اسے ایک دو مثالوں سے سمجھئے۔ مئی' جون کا مہینہ ہے۔ درجہ حرارت 116-117 تک پہنچ رہا ہے۔ سولہ سولہ گھنٹے کا دن ہے۔ ایک روزہ دار۔ اپنے کمرے میں تنہا بیٹھا ہے (یا کھیت میں کام کر رہا ہے) پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں۔ پاس ہی ٹھنڈے پانی کی صراحی رکھی ہے۔ اس وقت اسے کوئی دیکھنے والا بھی نہیں۔ وہ پیاس کی شدت سے تڑپتا رہے گا۔ لیکن پانی کا ایک قطرہ اپنے حلق میں نہیں ٹپکائے گا۔ سوچئے کہ دنیا کا کوئی قانون اسے ایسا کرنے سے باز رکھ سکتا ہے؟ یا ایک شخص سال بھر سخت محنت کر کے کچھ رقم بچاتا ہے۔ اس کا کسی کو علم نہیں۔ لیکن وہ سال گزر جانے کے بعد' خود ہی حساب کر کے' اس میں سے زکوٰۃ کا روپیہ نکال کر' کسی کو بتائے بغیر' کسی حاجت مند کو دے دیتا ہے۔

فرمایئے' دنیا کا کوئی قانون اسے ایسا کرنے پر "آمادہ" کر سکتا ہے! یہ کچھ اس داخلی جذبہ محرکہ سے ہوتا ہے جسے ایمان کہا جاتا ہے۔ (ہم اس وقت ان لوگوں کا ذکر نہیں کرتے جو محض رسماً" یا تقلیداً" ایسا کرتے ہیں۔ ہم ان کا ذکر کر رہے ہیں جو دل اور دماغ کی کامل ہم آہنگی کے بعد' سمجھ سوچ کر ایسا کرتے ہیں) یہی ہے وہ ایمان جو انسانوں کو اس پر آمادہ کر دیتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ محنت کریں اور کم از کم اپنے لئے رکھ کر' باقی سب دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے دے دیں۔ یہ ہے وہ نظام جس میں "مزدور" مزد (اجرت) کے لئے کام نہیں کرتا۔ وہ اپنے ایمان کے تقاضا سے ایسا کرتا ہے۔ اقبال نے روس سے کہا تھا کہ تم نے اتنے بڑے عالمگیر انقلاب کی عمارت کا نقشہ تو مرتب کر لیا' لیکن یہ بھی سوچا کہ وہ کونسی بنیاد ہے جو اس عمارت کا بوجھ سنبھال لے گی؟ تمہارا فلسفہ حیات اس قسم کی بنیاد مہیا نہیں کر سکتا۔ یہ بنیاد تمہیں "ام الکتاب" (قرآن عظیم) سے ملے گی۔

لہٰذا' مزدوروں کے مسئلہ کا حل نہ سرمایہ داری میں ہے نہ اشتراکیت میں۔ نہ یورپ کے پاس ہے نہ چین کے۔ اس کا علاج نہ مزدوروں اور محنت کشوں کی ہڑتالوں میں ہے نہ ان کے ساتھ مفاہمت میں۔ اس سارے فساد کی جڑ "مزد" (اجرت) کا غلط نظریہ ہے' اور جب تک یہ نظریہ باقی ہے' یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔ اس کا حل صرف قرآن کے معاشی نظام میں مل سکتا ہے جس کی بنیاد حیات آخرت کے ایمان پر ہے۔ اس نظام میں ہر فرد معاشرہ محنت کش یا کام کرنے والا (ورکر) ہوتا ہے اور ہر ایک کو اس کی محنت کا پورا پورا "صلہ" ملتا ہے۔ لیکن یہ صلہ اجرت کی شکل میں نہیں ہوتا۔ یہ صلہ ملتا ہے یہاں کی طبعی زندگی کے لئے سامان پرورش اور آخرت کی زندگی کے مدارج کے تعین کی شکل میں۔ قرآن کریم میں شروع سے آخر تک دیکھ لیجئے' اس میں صلہ یا بدلہ عمل کا ملتا ہے۔ "مذہب" کی دنیا میں (عمل کی جمع) اعمال سے مراد چند مخصوص رسمیں ہو جاتی ہیں لیکن عمل کے سیدھے سادے معنی کام ہیں اور جب

کوئی کام' دین کے پروگرام کے مطابق کیا جائے تو وہ عمل صالحہ بن جاتا ہے۔ ان اعمال (کاموں) کا بدلہ اس دنیا میں' رزق کریم (باعزت روٹی) کی شکل میں ملتا ہے' اور آخرت میں خوشگوار زندگی کی صورت میں۔ لہٰذا اسلامی معاشرہ میں ہر فرد' کام کرنے والا (ورکر) ہوتا ہے وہ کام کرتا ہے اور معاشرہ اس کی ضروریات زندگی بہم پہنچاتا ہے۔ جہاں تک طبعی زندگی کی ضروریات کا تعلق ہے' یہ قریب قریب ہر انسان کی یکساں ہوتی ہیں۔ وہ کونسا قانون فطرت ہے جس کی رو سے کہا جائے گا کہ مل کے مالک کے بچے کے لئے ناشتہ میں دودھ' انڈے' مکھن' توش' پھل ضروری ہیں اور مزدور کے بچے کے لئے سوکھی' باسی روٹی کا ٹکڑا کافی۔ خدا نے تو ان دونوں بچوں کا نظام پرورش ایک جیسا بنایا ہے۔ یہ تفریق رزق کی غلط تقسیم کی پیدا کردہ ہے' جس کا جواز اجرت کے نظریہ کی شکل میں پیش کر دیا جاتا ہے۔

کارل مارکس کو بھی اس کا احساس ہو گیا تھا کہ صحیح معاشی نظام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ اجرت کا تصور ہے' اس لئے اس نے کہا تھا کہ صحیح نظام ہر ایک سے اس کی استعداد کے مطابق کام اور ہر ایک کو اس کی ضروریات کے مطابق معاوضہ کے اصول پر قائم ہو سکے گا۔ لیکن جب اس سے کہا گیا کہ آپ اس نظام کو عملاً نافذ کرنے کا طریق کیوں نہیں بتاتے یا رائج کیوں نہیں کرتے' تو اس نے کہا کہ مجھے وہ بنیاد نہیں ملتی جس پر اس نظام کی عمارت استوار ہو سکے۔ اس لئے میں سردست اسے معرض التوا میں رکھتا ہوں۔ شاید "زمانے کے تقاضے" انسان کو اس مقام تک لے آئیں۔

یہاں پر ایک اور اہم نکتہ ہمارے سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ کارل مارکس نے بات تو سمجھ لی تھی لیکن اسے اس کی اساس نہیں ملتی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس قسم کا نظام "بات سمجھ لینے" سے قائم نہیں ہو سکے گا۔ جس نظام کو محض قانون کے زور پر قائم ہونا ہو اس کے لئے "سمجھ لینا" کافی ہوتا ہے۔ لیکن جس نظام کا سرچشمہ دل کی گہرائیوں سے پھوٹتا ہو' اسے سمجھ لینے کے بعد' ایمان کی حیثیت سے قبول کرنا اولین شرط ہو گا۔ یہ وجہ ہے کہ جو قرآن کا نظام اس جماعت (کے ہاتھوں ہی نہیں بلکہ اس جماعت) کے اندر قائم ہوتا ہے' جس کے افراد حیات آخرت کو ایمان کا درجہ دے چکے ہوں۔۔۔ "ایمان" کے معنی یہ ہیں کہ ان کا کوئی عمل' اقدار خداوندی کے خلاف نہ ہو۔ اس قسم کے افراد کو قرآن کریم نے مومنین' اور ان پر مشتمل جماعت کو امت مسلمہ کہہ کر پکارا ہے۔

لہٰذا' سوال اتنا ہی نہیں کہ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے! یہ طے ہو جانے اور سمجھ میں آجانے کے بعد بھی' اصلی سوال یہ ہو گا کہ کیا وہ لوگ بھی موجود ہیں جن کے ہاتھوں اور جن کے اندر' یہ نظام عملاً متشکل ہو گا۔ یعنی وہ لوگ جن کا خدا کے قانون مکافات (حیات آخرت) پر یقین محکم ہو!؟؟؟

اوقات دفاتر طلوع اسلام

احباب کی سہولت کے لئے مطلع کیا جاتا ہے کہ طلوع اسلام کے جملہ دفاتر صبح 9 بجے سے شام 4 بجے تک کھلے ہوتے ہیں۔ جمعہ کے دن دفتر ایک بجے بند کر دیا جاتا ہے۔ تعطیل اتوار کے بجائے ہفتہ کے روز ہوتی ہے۔

ہفتہ کے دن دفاتر مکمل طور پر بند ہوتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذبیح اللہ شہاب (لاہور)

امام خانہ کعبہ کا خطبہ حج اور سرسید احمد خان

کا ڈیڑھ سو سال پرانا لیکچر

اس سال حج کے موقع پر امام کعبہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ نے جو خطبہ دیا' علماء کی جانب سے اس کی بڑی تعریف کی جا رہی ہے۔ اس خطبہ میں امام صاحب نے علماء کو تلقین کی ہے کہ وہ اپنے مخالفوں پر کفر کے فتوے تھوپنے سے پرہیز کریں۔ اس کی بجائے وہ اسلامی تعلیمات کا غور سے گہرا مطالعہ کریں اور اس کے ساتھ موجودہ دور کے سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی سے بھی استفادہ کریں۔ تاکہ موجودہ دور کے مسلمان اسلامی تعلیمات کے گہرے علم کے ساتھ ساتھ' سائنسی علوم میں بھی مہارت حاصل کریں اور وہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے نہ رہ جائیں۔

قارئین حیران ہونگے کہ آج سے ٹھیک ڈیڑھ سو سال پہلے سرسید احمد خان نے مسلمانوں کو بالکل ایسی ہی تلقین کی تھی۔ لیکن علماء نے ان کے ان خیالات کو خلاف اسلام قرار دیتے ہوئے ان پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ تاہم سرسید نے ان کے اس کفر کے فتویٰ کی کوئی پرواہ نہ کی اور مسلمانوں کو جدید سائنسی تعلیم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے رہے۔ یہ سائنسی علوم انگریزی زبان میں تھے اور تمام علماء نے اکٹھے ہو کر فتویٰ جاری کیا کہ مسلمانوں کے لئے' انگریزی کی تعلیم حاصل کرنا کفر ہے۔

علماء کا یہ فتویٰ سرسید احمد خان کے عزم کو کمزور نہ کر سکا۔ انہوں نے ایک ادارہ قائم کیا جس نے جدید سائنسی علوم کی کتابوں کا اردو میں ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ اس سے مسلمانوں میں سائنسی علوم کا شوق پیدا ہو گیا اور انہوں نے اس بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔ چونکہ ایسی تمام کتابیں انگریزی زبان میں تھیں اس لئے ان مسلمان نوجوانوں نے علماء کے فتویٰ کی پرواہ کئے بغیر انگریزی زبان سیکھنا شروع کر دی۔ نوجوانوں کے اس طرز عمل سے سرسید احمد خان کو حوصلہ افزائی ہوئی اور انہوں نے 1875ء میں مسلمانوں کے لئے پہلے انگریزی سکول کی بنیاد رکھ دی۔ یہ مدرسہ جلد ہی ترقی کر کے کالج میں تبدیل ہو گیا اور آخر کار اس نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شکل اختیار کر لی۔ جس نے پاکستان کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔

اس یونیورسٹی نے ہزاروں کی تعداد میں مسلمان سائنس دان پیدا کئے۔ اس کے ساتھ ہی سرسید احمد خان ان مسلمانوں کی اسلامی تربیت سے غافل نہیں تھے۔ ان کی ایسی تربیت کی کہ وہ بہت اچھے مسلمان بن گئے ان کی اسلام سے محبت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کرکٹ جیسے کھیل کھیلنے میں مشغول ہوتے تھے اور ابھی بال ان کے ہاتھ میں ہوتا تھا اور انہیں اذان کی آواز سنائی دیتی تھی' تو وہ بال پھینک کر مسجد کا رخ کرتے تھے۔

علماء حضرات کا اسلام کا علم بڑا ناقص تھا' سرسید احمد خان کا خیال تھا کہ علماء کا یہ ناقص علم مسلمانوں کے زوال کا سبب بنا ہے چنانچہ انہوں نے اس طرف بھی توجہ دی' اسلامی اور عربی علوم کے ماہر جمع کر کے ان کی مدد سے قرآن مجید کی ایک مستند تفسیر تصنیف کی اس تفسیر کے مستند ہونے کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے بعد جن لوگوں نے قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں' چاہے وہ مودودی صاحب تھے یا مولانا امین احسن اصلاحی۔ انہوں نے ان کی تفسیر سے بھرپور فائدہ اٹھایا لیکن

دیانتداری ملاحظہ ہو کہ کہیں سرسید کی تفسیری کاوشوں کا ذکر تک نہ کیا۔ بعض مسائل میں تو سرسید کی تحقیق کو لفظ بلفظ بغیر حوالے کے نقل کیا گیا۔

سید مودودی صاحب نے مسئلہ جبر و قدر کو اپنی تفسیر میں بھی بیان کیا ہے اور اس موضوع پر ایک علیحدہ کتاب بھی لکھی ہے۔ سرسید کی تحقیق اس بارے میں اتنی معیاری تھی کہ مودودی صاحب سرسید کی عبارت کے الفاظ تک کو تبدیل نہ کر سکے۔

مولانا امین احسن اصلاحی صاحب نے اپنی تفسیر تدبر القرآن کے مقدمے کے طور پر "تدبر القرآن" کے نام سے کتاب لکھی۔ یہ سرسید کے رسالہ تفسیر کا مکمل چربہ تھا۔ امین احسن صاحب انہی دنوں میانوالی کے دورے پر تشریف لے گئے تو بندہ نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ ان کی کتاب تو سرسید کے رسالہ تفسیر کا چربہ معلوم ہوتی ہے اس پر وہ بڑے گھبرائے اور پوچھا کہ کیا یہاں کسی کے پاس سرسید کی تفسیر موجود ہے۔ جب بندہ نے ہاں میں جواب دیا تو وہ خاموش ہو گئے۔

ان علماء حضرات کے طرز عمل نے مجھے مجبور کیا کہ میں سرسید کی تفسیر کو شائع کرانے کا بندوبست کروں۔ چنانچہ یہ تفسیر دوست ایسوسی ایٹس اردو بازار کی جانب سے شائع ہو چکی ہے۔ اس کے تعارف میں بندہ نے ان مسائل کی نشاندہی کر دی ہے کہ جن کے بارے میں ہمارے علماء نے ان کی تحقیق کی چوری کی تھی۔ سیرت النبی پر سرسید نے جو کتاب لکھی اس کے بارے میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا یہ قول ہی کافی ہے کہ ان کے بعد سیرت پر جتنی کتابیں لکھی گئیں جن میں علامہ شبلی کی سیرت النبی بھی شامل ہے' ان کے مصنفین سرسید کی تحقیق میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔ یہ کتاب بھی مذکورہ بالا ناشر نے شائع کر دی ہے۔

علماء کی مخالفت اور کفر کے فتوؤں کے باوجود' سرسید احمد خان نے اپنے پروگرام کو کسی حد تک عملی جامہ پہنا دیا اور دن بدن ان کی مقبولیت میں اضافہ ہونے لگا۔ اس سے ان علماء حضرات کے سینوں پر حسد کے سانپ لوٹنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے ایک وفد مکہ مکرمہ بھیجا اور اس نے امام کعبہ اور مکہ مکرمہ کے دوسرے شیوخ کے سرسید پر کفر کے فتوے پر دستخط کرائے۔ جب یہ فتویٰ شائع کیا گیا تو سرسید احمد خان نے گھبرانے کی بجائے طنزیہ الفاظ میں فرمایا کہ اس کا کفر بھی علماء کے لئے فائدہ مند ثابت ہوا کیونکہ اس کے حوالے سے انہیں حج کی سعادت حاصل ہو گئی۔

آج کوئی بھی ان ہزاروں علماء کہ جنہوں نے سرسید کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا تھا کے ناموں تک سے واقف نہیں جبکہ پاکستان اور ہندوستان میں ہزاروں تعلیمی ادارے سرسید کے نام سے موسوم ہیں اور انہوں نے انہیں زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ انگریزی زبان کے بارے میں موجودہ علماء کا طرز عمل ملاحظہ ہو کہ وہ اس کے دلدادہ بن چکے ہیں اور اپنے بچوں کو عام سکولوں میں پڑھانے کی بجائے' ان انگریزی ذریعہ تعلیم والی درسگاہوں میں تعلیم دلانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اگر ڈیڑھ سو سال پہلے ان میں اتنی عقل ہوتی کہ وہ سرسید کے لیکچر کو سمجھ سکتے تو آج مسلمان تمام برصغیر ہند و پاکستان پر حکومت کر رہے ہوتے۔

سرسید احمد خان نے یہ سب کچھ ایسی حالت میں کیا کہ مسلمانوں کی مالی حالت حد درجہ کمزور تھی۔ انہوں نے ایک ایک پیسہ جمع کر کے مسلمانوں کی اعلیٰ تعلیم کا اہتمام کیا۔ امام کعبہ کے ملک میں دنیا کے امیر ترین مسلمان رہتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو اتنے زیادہ امیر ہیں کہ اگر وہ چاہیں تو سرسید کی قائم کردہ یونیورسٹی جیسی' سینکڑوں یونیورسٹیاں قائم کر سکتے ہیں' لیکن ایسا کرنے کی بجائے انہوں نے اپنی دولت' یورپ اور امریکہ کے بنکوں میں جمع کرا رکھی ہے جس سے وہاں کے غیر مسلم فائدہ اٹھا رہے ہیں ہمارے ملک میں علماء کا ایک طبقہ سعودی عرب کی ملوکیت کو خالص اسلامی قرار دیتا ہے۔ اور دن رات اس کے گن گاتے ہیں' وہ امام کعبہ کے حوالے سے وہاں کے امراء سے یہ مطالبہ تو کر سکتے ہیں کہ زیادہ نہیں تو کم از کم ایک ایسی یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں قائم کر دی جائے کہ جس سے تمام اسلامی دنیا کے طالب علم فائدہ اٹھا سکیں۔ اس یونیورسٹی میں اسلامی تعلیمات کے ساتھ سائنسی علوم کا اعلیٰ درجہ کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے ان حضرات سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ امام صاحب کے خطبے کی تعریف کے ساتھ ساتھ امام صاحب کے ملک کے امراء کو اس طرف متوجہ کریں کہ وہ ان کے خطبے کو عملی جامہ پہنائیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر منظور الحق
شعبہ تعلیم، جامعہ سندھ، حیدر آباد

قرآنی سوچ کی سادھنی اور حیات کی سارنگی

اِس سلسلۂ کائنات میں، کارفرمائی صرف خدا کے قوانین کی ہے : خارجی کائنات میں قوانینِ فطرت کی صورت میں اور انسانی دنیا میں قانونِ مکافاتِ عمل کی صورت میں خارجی کائنات (Physical World) کے اندر خدا کے قوانین (جنہیں ہم اپنی سہولت کیلئے قوانینِ فطرت (Laws of Nature) کہتے ہیں) کے مطابق واقعات (Events) ظہور پذیر ہوتے ہیں اور انسانی دنیا (Human World) میں قانونِ مکافاتِ عمل (Law of Requital) سے انسانی اعمال (Actions) کے نتائج نکلتے ہیں۔ یہاں کارفرمائی خدا کے قوانین کی ہے۔ کوئی شے ہنگامی طور پر نہیں ہوتی۔ انسانی دنیا میں، غلط اعمال کے تباہ کن نتائج کے لئے قرآنِ پاک عذابِ جہنم یا عذاب الحریق کی جامع اصطلاح لاتا ہے۔

کائنات کے تین گوشے : اس لحاظ سے کائنات کے تین اہم گوشے (Aspects) ہیں :

1- کائنات کا وہ گوشہ جہاں خدا قوانین بناتا ہے۔ یہ "عالمِ امر" ہے یہاں مشیت کی کارفرمائی ہے اس میں انسان دخل نہیں دے سکتا۔

2- کائنات کا وہ گوشہ جہاں خدا ان قوانین کو خارجی کائنات (Physical World) میں نافذ (Implement) کرتا ہے۔ یہاں اشیائے کائنات مجبور ہیں۔ وہی کچھ کرتی ہیں جو انہیں "عطا" کیا جاتا ہے۔ یہ "عطا" قوانینِ فطرت (Laws of Nature) ہیں جنہیں انسان اپنی عقل و خرد سے دریافت (Discover) کرتا ہے۔

اس انکشاف (Discovery) کے لئے خارجی کائنات میں فطری سائنسی علوم (Natural Sciences) کام میں لائے جاتے ہیں۔ قرآن پاک اس گوشے میں ان قوانین کے لئے "قدرنا" کے الفاظ لاتا ہے۔ چاند اور سورج کو گرہن خدا کے قوانین کے مطابق لگتا ہے، اس کا غم سے تعلق نہیں ہے۔

3- کائنات کا وہ گوشہ جہاں خدا ان قوانین کو انسانی دنیا (Human World) میں نافذ (Implement) کرتا ہے۔ یہاں یہ قوانین مجبور ہیں کہ انسان کے اعمال (Human Actions) کے نتائج (Consequences) مرتب کریں۔ انسان (Man) صاحبِ اختیار و ارادہ ہے کہ جو چاہے کرے۔

پابندیاں (حدود) : انسان کے اس اختیار و ارادہ (Choice and Will) پر کچھ پابندیاں (حدود) (Limitations) عائد کی گئی ہیں جو اس کی ذات (Personality) کی نشوونما (Development) کے لئے ضروری ہیں۔ انہی سے انسانی اختیار و ارادہ میں وسعت پیدا ہو کر انسانی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ یہ پابندیاں (حدود) قرآنِ پاک کی رو سے عائد کی گئی ہیں۔ اب ان میں کوئی دوسرا تبدیلی پیدا نہیں کر سکتا۔ یہ پابندیاں (حدود) اقدار (Values) ہیں جو اب قرآن پاک کی دفتین میں درج ہیں۔ یہ پابندیاں (Limitations) دراصل وہ اصول و قوانین ہیں جو قرآنِ پاک میں دیئے گئے ہیں۔ یہی (حدود) پابندیاں قرآن پاک کے الفاظ میں اقدار کہلاتی ہیں۔

اقدار، اعمال، اقوام اور مکافاتِ عمل کا قانون :

1- خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل ہمیشہ ان تمام راہوں میں گھات

لگائے ہوتا ہے جن راہوں سے انسان نے گذرنا ہوتا ہے۔

2- منتشر شخصیت (Disintegrated Personality) کی پہلی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص فیصلہ نہیں کر سکتا۔ اسے اپنے آپ پر کنٹرول نہیں ہوتا۔ اس کی ذات دوہری (Dual) ہوتی ہے۔ اس میں دوغلا پن ہوتا ہے۔

3- حیوانات کے سامنے اقدار (Values) نہیں ہوتیں۔ صرف طبعی پہلو (Physical Aspect) ہوتا ہے۔ وہ تو اقدار کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ انسان، حیوانی سطح سے صرف اقدار کی بنا پر، انسانی سطح پر پہنچتا ہے۔

4- اقدار کے تصور سے انسان کا زاویۂ نگاہ (Angle of Vision) بدل جاتا ہے۔

5- تخلیق (Creation) کرنے سے انسان (Man) انسانیت (Humanity) میں داخل ہوتا ہے۔ حیوان تخلیق نہیں کر سکتا وہ تولید (Procreation) کر سکتا ہے۔

6- وہ نگاہ پیدا کرو جو مضمر یعنی غیر محسوس سے مشہود یعنی محسوس کو دیکھ لے۔ یہ زندگی مشہود (محسوس) سے مضمر (غیر محسوس) اور مضمر (غیر محسوس) سے مشہود (محسوس) ہوتے آگے بڑھے چلی جا رہی ہے۔ یہی نگاہ قرآن پاک پیدا کرتا ہے۔

7- غلط نظامِ زندگی سے لاتعلق (Indifferent) ہونا غلط ہے، غیر اسلامی ہے۔ اس کا نتیجہ ذلت و خواری ہے۔ اس پر مطمئن ہونا فریبِ نفس (Self-deception) ہے۔ اصل کام یہ ہے کہ تم کس قسم کا نظام رائج کرنا چاہتے ہو۔ غلط نظام کے اندر نیکی کے کام سے مطمئن ہونا نیکی نہیں ہے، باعثِ نجات نہیں ہے۔ اس نظام کو بدلنا ہی اصل نیکی ہے یعنی صحیح نظامِ زندگی کا قیام و استحکام ہی نیکی کا کام ہے۔

8- دنیا کی جو قوم جب پستی میں ہوتی ہے اپنے اسلاف، اپنے بزرگوں کے کارنامے گنوا اور گن کر خوش ہوتی رہتی ہے۔ وہ اپنے اسلاف (Ancestors) کے کارناموں کو وجہِ سرفرازی سمجھتی ہے، اسی میں مگن رہتی ہے۔ یہی اس کی پستی کی علامت ہوتی ہے۔

9- وہی قوم "زندہ" رہ سکتی ہے جو "مرنا" جانتی ہے۔ زندگی تو صحیح نظام کے قیام کے لئے کھڑے ہو جانے کا نام ہے۔ آج کا انسان تو صرف موت کے ڈر سے بھاگ اٹھتا ہے۔

10- موت تو ٹسٹ (Test) ہے اس چیز کا کہ کیا تم زندہ رہنے کے قابل ہو چکے ہو۔ مومن تو موت کے سامنے مسکراتا ہے۔ موت تو نتیجے کے نکلنے کا وقت (دن) ہے۔

11- قوموں کی زندگی میں اگر ایک صدی تک غیروں کی غلامی رہے تو وہ قوم خوئے غلامی میں اس قدر پختہ ہو جاتی ہے کہ اسے عزتِ نفس کا احساس ہی نہیں رہتا۔ وہ تن آسان (Easy-going) بن جاتی ہے۔ ذرا سا حوصلہ (Patience) اس پر بارگراں گذرتا ہے۔ قلب و نگاہ میں تبدیلیاں (Transformations) اسے موت کی طرح ڈراتی ہیں۔ وہ اس حالت سے نکلنا ہی نہیں چاہتی۔ وہ اس طرح عادی ہو جاتی ہے جس طرح تیتر پنجرے میں رہ کر۔ کچھ عرصے بعد اگر تیتر کو چھوڑ دیا جائے تو بھی وہ پنجرے کے باہر ہونے کے باوجود، پنجرے کے پیچھے پیچھے جاتا ہے۔ وہ پابندِ قفس ہی رہنا چاہتا ہے۔ اذنِ بال کشائی چاہتا ہی نہیں۔ بس یہی اس قوم کی حالت ہوتی ہے۔

12- کسی قوم نے 2000 سال پہلے جرائم کئے۔ کیا آج بھی اسے سزا ملے گی؟ قانونِ مکافاتِ عمل کی رو سے ان جرائم کے نتائج صرف اسی قوم کیلئے ہونگے جس نے وہ جرائم کیے۔ اس کے بعد آنے والی نسلیں اگر ان جرائم کو چھوڑ دیتی ہیں تو انہیں وہ نتائج، وہ سزا، نہیں ملے گی۔ ان کے اپنے جرائم کے نتائج ان کے اعمال کے مطابق ملیں گے جب تک وہ نسلیں ایسے اعمال (جرائم) کرتی رہیں گی انہیں اس قسم کے نتائج (سزا) ملتے رہیں گے۔

13- جس دورِ حکومت میں "جوہرِ مردانگی" سے عاری افراد کو لائقِ عزت و احترام سمجھا جائے، انہیں بلند ترین عہدے دیئے جائیں۔ سمجھ لو کہ یہ دورِ ملوکیت ہے۔ اس میں ناہمواریاں عام ہوتی جائیں گی۔ اخلاق کو غلط مقام

(Wrong Notions of Mo...) دیا جائے گا۔

...خلاق کو غلط مقامات (Wrong Notions of Morality)

...آج دنیا میں تباہی کی اصل وجہ ہے۔ مثلاً انسانوں کا خون ... لیکن چڑیوں کو دانے ڈالنا۔ ڈاکو بن کر دولت لوٹنا لیکن ...میں اس دولت کی تقسیم انصاف سے کرنا یہ سب اخلاق کے غلط مقامات و مناصب ہیں۔ جھوٹ بے نقاب ہو کر کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا یہ تو سچ کے لباس میں آتا ہے۔

14- شخصی اور حکومتی قوانین (Personal and Public Laws) کی تخصیص غیر قرآنی ہے۔ زندگی کے حصے بخرے کرنا کفر ہے۔

باطل نظام کی کارفرمائی: 1- باطل نظام میں شریف اور مجرم ملے جلے رہتے ہیں اس لئے آدمی دھوکا کھا جاتا ہے۔

2- کذاف وہ ہے جو برائیوں کو نیکی کے روپ میں پیش کرے۔

3- شر وہ عمل ہے جس سے انسانی ذات میں ضعف (Disintegration) پیدا ہو جائے۔

4- فاسق وہ ہے جو اس قالب (Pattern) میں نہ رہنا چاہے جس میں اس کی نشوونما (Development) ہوتی ہے۔

5- سازش (Conspiracy) میں الزام تراشی (Blame Projecting) جھوٹا پروپیگنڈا' افتراء پردازی آتی ہیں۔

6- شیطان سازش کرنے والے کو کہتے ہیں یعنی الزام تراش' افتراء پرداز' تہمت ساز' غلط پروپیگنڈا باز' وغیرہ

7- فریبِ نفس (Self-deception) یہ ہے کہ محض سننے سے ثواب ہوتا ہے۔

8- جب حرکت مبدل بہ سکون (Static) ہو جائے تو باقی صرف نفس شماری (Respiration) رہتی ہے۔ زندگی (Life) ختم ہو جاتی ہے۔

9- جہاں بھی دولت بغیر محنت کیے آئے گی وہاں فحاشی' جوا' شراب نوشی' بدمعاملگی' بدمعاشی عام ہو گی۔

10- شرک اور وہم پرستی کا نتیجہ ڈر اور خوف ہوتا ہے۔

11- خوش عقیدگی اور خوش فہمی ایک ہی شے ہے۔ یہ تباہی کی طرف لے جاتی ہیں۔

12- جھوٹ کو بھی سچ کہہ کر کر منوایا جاتا ہے۔

13- دلوں کے اندر امانیٔ (خود پیدا کردہ آرزوئیں جن میں خود فریبی ہو) ہوتی ہیں۔ یہ بت خانے ہیں ان کی شکلیں خوش عقیدگیوں کی صورت میں سامنے آتی ہیں۔ ان کے اندر ہوتے ہوئے دلوں میں خدا کا قانون نہیں آسکتا۔

مذہب اور تصوف: 1- مذہب (Religion) میں سارا زور ظواہر پرستی (Manifested Forms) پر ہوتا ہے۔ غایت و غرض اور حکمت پر نہیں۔

2- جھوٹی آرزوئیں مذہب پرست اختیار کرتے ہیں۔

3- دین میں انسانی خیالات کو شامل کر لیا جائے تو وہ مذہب بن جاتا ہے اور مذہب کو خدا کی صفت "البارئ" سے دین بنایا جا سکتا ہے۔

4- سارا تصوف (Mysticism) تشبیہات سے بھرا ہوا ہے جس میں لطائف کو حقائق بنا دیا جاتا ہے۔ تصوف میں لطائف ہیں حقائق نہیں۔

آج کا کام: 1- زندگی کی خطرناک گھاٹیوں سے بچ کر چلنا۔ یہی تو تقویٰ ہے۔

2- اللہ کی کتاب یعنی قرآن پاک پر عمل کرنا۔ یہی تو ایمان ہے۔

3- "میں مستقبل (Future) کے لئے آج (Present) کیا بھیج رہا ہوں" اس پر عمل کرنا۔

4- سادہ زندگی سے قوتِ برداشت پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے قوتِ برداشت کے لئے سادہ زندگی اختیار کرنا۔

5- محاورۂ عرب اور تصریفِ آیات سے قرآن پاک کا اس طرح سمجھنا کہ وہ مفہوم' قرآن پاک کی مجموعی تعلیم کے خلاف نہ ہو۔

6- ایسا نظام قائم کرنا جس میں ہر فرد کی صلاحیتوں۔۔ ذہنی' جسمانی' جذباتی۔۔ کی نشوونما ہوتی چلی جائے۔

قانونِ خداوندی' اپنے اندر بڑی قوت رکھتا ہے۔ اگر ہم سب' یہ سب کچھ کرنے لگیں تو یقین کیجئے نظامِ ربوبیت قائم ہو جائے گا۔

-:------------:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں کرسچن کیوں نہیں ہوں؟

ڈاکٹر شبیر احمد صاحب کا مقالہ "Why I Am Not A Christian" طلوع اسلام کی جولائی' اگست' ستمبر 99ء کی اشاعتوں میں قسط وار شائع ہوا تو قارئین کے خطوط آنا شروع ہو گئے کہ اس کا اردو ترجمہ بھی شائع کیا جائے تاکہ اردو خواں طبقہ بھی اس سے مستفید ہو سکے۔ قارئین کی آراء کا احترام کرتے ہوئے مقالہ مذکورہ کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ اردو ترجمہ بھی ڈاکٹر شبیر احمد ہی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ مدیر

عام جائزہ

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

صاحبو! آپ کا تعلق کسی دین مذہب سے ہو یا آپ لامذہب ہوں مضمون پڑھنے کے لئے بڑی جرات درکار ہو گی کیونکہ یہ کتاب خون جگر سے لکھی جا رہی ہے۔ ہم ہزار مرحلہ ہائے فغان نیم شبی سے گزر کر یہاں تک آئے ہیں۔

1- اگر آپ کمزور اعصاب کے مالک ہیں تو اس مضمون کو مت پڑھئے۔ راہ فرار اختیار کر لیجئے۔

2- اگر آپ سینے میں دل ناتواں رکھتے ہیں تو جان بچایئے' بھاگ لیجئے' مت پڑھئے۔

3- اگر آپ اپنے ذہن کی کوٹھری کا دروازہ بند کئے بیٹھے ہیں تو بھی یہ کتاب مت پڑھئے۔ کہیں ہمارا قیمتی وقت ضائع نہ ہو جائے۔

4- اگر آپ کسی بھی نوعیت کے اور کسی بھی عقیدے کے (Fundamentalist) بنیاد پرست ہیں تو یہ مضمون آپ کے لئے مضر ثابت ہو سکتا ہے۔

5- اگر آپ عام ریڈر ہیں تو اپنی ذمہ داری پر پڑھئے۔

6- اور جناب والا' گرامی قدر! اگر آپ کوئی مولوی ہیں تو از راہ کرم ضرور بالضرور اس تحریر کا مطالعہ فرمایئے۔ اس میں ہمارا بڑا فائدہ ہے۔ امام غزالیؒ فرما گئے ہیں "کسی شخص کو بڑا آدمی نہ سمجھ جب تک اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگ جائے۔"

پہلے یہ اعتراف کہ برسوں پہلے برٹرینڈرسل نے مشہور زمانہ کتاب لکھی تھی۔ "Why I Am Not A Christian"۔ مضمون کا عنوان ہم نے احترام کے ساتھ ان ہی سے مستعار لیا ہے لیکن لارڈ رسل بائبل سے بے زار ہو کر دہریہ ہو گئے تھے لہٰذا ان کی وجوہات کرسچن نہ ہونے کی کچھ اور تھیں۔ کرسچن نہ ہونے کی ہماری وجوہات کچھ اور ہیں۔ دیکھئے اب بھی موقع ہے آگے بڑھنے سے پہلے سوچ لیجئے۔

کیا ہم مسلمان ہیں؟:- کہتے ہیں دنیا میں سوا بلین مسلمان ہیں۔ دنیا کی باقی ساڑھے چار بلین آبادی ان سے نفرت کرتی ہے۔ یہود و نصاریٰ' ہنود' کمیونسٹ' بدھ سب کے سب انہیں مٹانے کے در پے رہتے ہیں۔ مسلمان یہ شکایت کرتے رہ جاتے ہیں کہ باقی دنیا کی اسلام دشمنی اندھے تعصب پر منحصر ہے لیکن یہ پورا سچ نہیں ہے۔ وہ سوا بلین لوگ جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں صرف نام کے مسلمان ہیں۔ استثنیٰ بھی ہوں گے لیکن

وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

قرآن کا استدلال ملاحظہ فرمایئے "لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو زبانی کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ ایمان نہیں رکھتے" 2:8۔

تو پورا سچ ہم سے نہیں ایک عظیم صاحب نظر "سید القوم" سرسید احمد خانؒ سے سنئے۔

"مروجہ اسلام وہ دین نہیں جو پیغمبر آخر الزمانؐ لائے تھے اور جو قرآن کی صورت میں محفوظ ہے۔ موجودہ اسلام بندوں کا بنایا ہوا مذہب ہے۔ مسلمان قوم نے خدائے ذوالجلال کے سوا باپ دادا کے رسم و رواج کو اور اپنے قدیمی چال چلن کو خدا مانا ہے۔ پیغمبر آخر الزمانؐ کے سوا اور بہت سے پیغمبر (امام، صوفی، فقیہ) پیدا کئے ہیں۔ کتاب اللہ کے سوا انسانوں کی لکھی ہوئی بہت سی کتابوں کو قرآن بنایا ہے۔ ہم ان جھوٹے خداؤں اور فرضی پیغمبروں اور جعلی قرآنوں کو ایسا ہی برباد کرنے والے ہیں جیسے ہمارے جد امجد ابراہیمؑ اپنے باپ آذر کے بت توڑنے والے تھے۔ ہم انسانوں کے بنائے ہوئے ان خداؤں، پیغمبروں اور قرآنوں کو نہیں مانتے"۔ (حیات جاوید، سرسید کے افکار)

صاحبو! اگر آپ سرسید احمد خانؒ کا ارشاد پڑھ کر حیران ہوئے ہیں تو اس کی تائید کے لئے قرآن کریم کی چند آیات دیکھئے، "—— اگر تم اللہ کے احکام پر صحیح ایمان رکھتے ہو گے تو تم ہی غالب رہو گے"۔ 3:139 (لیکن ہم ہر جگہ مغلوب ہیں) "— یہ ہو نہیں سکے گا کہ اللہ کے احکام ماننے والوں پر انکار کرنے والے غالب آجائیں"۔ 4:141 (غیر مسلم قومیں دنیا میں ہر جگہ مسلمانوں پر غالب ہیں)

"— میرے صالح بندے زمین کے وارث حاکم ہوں گے"۔ 21:105

"جو لوگ اللہ کے قوانین پر یقین رکھتے ہیں اور معاشرے کی صلاحیت بڑھانے والے کام کرتے ہیں ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں زمین میں حاکمیت عطا کرے گا"۔ 24:55 (ہمارا ایمان قوی ہے، صلاحیتیں صفر)

اب صاحبو! ذرا آنکھیں بند کر کے نام نہاد مسلمانوں کی حالت زار کا بین الاقوامی سطح پر جائزہ لیجئے۔ کیا مسلمان کہیں بھی غالب ہیں؟ کیا وہ اپنے ہی ملکوں میں دوسرے کے محکوم نہیں ہیں؟ علامہ مشرقیؒ نے نصف صدی پہلے مشرق اور اہل اسلام کا جو آنکھوں دیکھا نقشہ کھینچا تھا کیا وہ آج بھی قطعی درست نہیں ہے؟

"لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم نے مشرق کی طویل عرصے تک سیاحت کی۔ آخر تم نے کیا دیکھا؟ میں کیا بتاؤں کیا دیکھا؟ میں نے اس سرے سے اس سرے تک ویران حال بستیاں، ٹوٹے پھوٹے پل، بند نہریں، سنسان سڑکیں دیکھیں۔ میں نے جھریاں پڑے چہرے، جھکی ہوئی کمریں، خالی دماغ، بے حس دل، الٹی عقلیں دیکھیں۔ میں نے ظلم، غلامی، خستہ حالی، ریاکاری، قاتل نفرت برائیاں، طرح طرح کی بیماریاں، جلے ہوئے جنگل، ٹھنڈے چولہے، بنجر کھیت، میلی صورتیں، ننگے ہاتھ پاؤں دیکھے۔ میں نے بے جماعت کے امام دیکھے۔ بھائی کو بھائی کا دشمن دیکھا۔ دن دیکھے جن کا کوئی مقصد نہیں۔ راتیں دیکھیں جن کی کوئی صبح نہیں"۔

بادشاہوں، ڈکٹیٹروں کی غلامی، صوفی و ملا کی غلامی، رسم و رواج کی غلامی، اندھی تقلید کی غلامی خوف، غربت، بیماری افلاس، جہالت، باہمی خونریزی، صوبائی، فرقہ وارانہ نفرتیں، وہم و گمان کی غلامی، غلامی غلامی! قرآن کی جو آیات اوپر ابھی ہم نے پیش کی ہیں ان سے کیا ثابت ہوتا ہے؟ یہی کہ خود کو مسلمان کہنے والے سوا بلین مسلمان صرف نام کے مسلمان ہیں۔ یا دعویٰ کرنا ہو گا کہ نعوذ باللہ قرآن کی یہ آیات سچی نہیں ہیں! لیکن یہ آیات محکم ہیں، سچی ہیں، ہمارا دعویٰ مسلمانی جھوٹا ہے۔

کافر گری :۔ ایک اور زاویے سے دیکھئے۔ فرقہ بندی اور کافر گری اس عروج پر پہنچی ہے جہاں دنیا کا ایک فرد بھی مسلمان کہلا نہیں سکتا۔ سینوں کے نزدیک شیعہ کافر اور شیعوں کے

نزدیک سنی کافر۔ بریلوی کے نزدیک دیو بندی اور دیو بندی کے نزدیک بریلوی کافر۔ وہابی کافر' اہل حدیث کافر' خوارج کافر' مومنین کافر' معتزلہ کافر اسماعیلی کافر' علوی کافر' زیدی کافر' بوہری کافر اور پھر فرقوں کے علماء کے نزدیک دوسرے فرقے والوں کو کافر نہ ماننے والا کافر وغیرہ وغیرہ۔

پیدائشی مسلمان :- آپ کہہ سکتے ہیں' نہیں صاحب! ہم تو مسلمان پیدا ہوئے ہیں۔ فخر سے آپ فرماتے ہیں کہ خدا کا بڑا کرم ہے کہ اس نے ہمیں مسلمانوں میں پیدا کیا۔ لیکن قرآن کے نزدیک پیدائشی اسلام کی کوئی حیثیت' وقعت نہیں۔ قرآن کا ارشاد ہے۔

"اے وہ لوگو! جو خود کو اہل ایمان (مسلمان) کہتے ہو اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور جو کتاب اس پر نازل ہوئی اور پہلی کتابوں پر ایمان لاؤ"۔ 4:136

دل پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کیا زندگی کے کسی دور میں آپ نے تلاش حق کی ہے یا محض آنکھیں بند کر کے آباؤ اجداد کی روش پر چلے جا رہے ہیں۔ اسلام وراثتاً منتقل نہیں ہوتا۔ علم و بصیرت کی روشنی میں اپنایا جاتا ہے۔ ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہو تو ہم اسے مذہب میں ڈبو دیتے ہیں۔

"(اے محمدؐ) فرما دیجئے کہ میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو بصیرت کی بناء پر اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور میرے پیرو بھی ایسا ہی کرتے ہیں"۔

اب فرمایئے کیا آپ نے زندگی میں کبھی قرآنی آیات کو سمجھنے کی کوشش کی ہے؟ دوسرے مذاہب کا مطالعہ کر کے دل سے یہ مانا ہے کہ اسلام اگر دین حق ہے تو کیوں؟ ان سوالوں کا حاصل یہ ہو گا کہ تقریباً" سب' سوا بلین لوگ پیدائشی تقلیدی مسلم ہیں جس کی قرآن کریم کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل؟
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

مسلم معاشرہ :- آیئے اب ایک اور نقطہ نگاہ سے اپنے مسلمان ہونے کا جائزہ لیجئے۔ مصر کے عظیم ترین عالم دین اور فقیہہ مفتی محمد عبدہ' 19 ویں اور 20 ویں صدی کے سنگم پر پیرس تشریف لائے۔ واپس جا کر انہوں نے مصر میں جو بیان دیا وہ سو برس سے فضاؤں میں گونج رہا ہے۔ فرمایا'

"یورپ میں میں نے مسلمان نہیں دیکھے' اسلام دیکھا۔ مصر میں میں مسلمان دیکھتا ہوں' اسلام نہیں دیکھتا"۔

یوں کہہ لیجئے کہ جو سوا بلین لوگ آج آپ گنتے ہیں یہ مسلمان ہیں "بے اسلام" لہٰذا دنیا بھر میں مغلوب ہیں۔ بوسنیا' کوسووا' چیچنیا' کشمیر' فلسطین' اریٹریا ہی نہیں مسلمان دنیا میں جہاں کہیں آباد ہیں ذلیل و خوار اور پریشان حال۔ ان کے علاقوں میں' معاشروں میں بدنظمی' بدعنوانی' پسماندگی عروج پر ہے۔ بائبل کا مشہور عالم ارشاد ہے "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے" چونکہ انفرادی اور اجتماعی خامیاں دنیا بھر کے مسلمانوں میں دیکھی جا رہی ہیں خواہ ان کا تعلق پاکستان سے ہو یا عرب سے' ترکی سے ہو یا انڈونیشیا سے' الجزائر سے ہو' یا سوویت ریاستوں سے' چین سے ہو یا امریکہ سے لہٰذا بادی النظر میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پھل جس درخت سے حاصل ہو رہا ہے وہ درخت ہی کچھ خرابی اپنے اندر رکھتا ہے۔ پھر میں کرسچن کیوں نہیں ہوا؟ اس کا جواب ذرا آگے چل کر دوں گا۔ پہلے یہ بھی دیکھتے چلئے کہ وہ قومیں یا قوم جنہیں ہم عیسائی یا مسیحی یا نصاریٰ کہتے ہیں وہ کہاں کھڑی ہیں؟ تعصب سے آزاد ہو کر جب میں ان کی مادی اور سائنسی ترقی پر غور کرتا ہوں تو اکبر الہ آبادی کی طرح نصاریٰ کو مبارک باد دینے کو جی چاہتا ہے۔

مغربی معاشرہ :-

سدھاریں شیخ کعبے کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

اور علامہ اقبالؒ کی زبان سے یہ تہنیت کا پیغام بھی یاد آتا ہے۔

عرض بھی کیا ہے انہوں خدا سے۔

فردوس جو تیرا ہے کسی نے نہیں دیکھا
افرنگ کا ہر قریہ ہے فردوس کی مانند

صاحبو! مقام فکر ہے کہ اللہ نے جب فرشتوں (اور بقول سرسید" نیچر کی قوتوں) کو حکم دیا تھا کہ وہ آدم کو سجدہ کریں تو انہوں نے سجدہ کر دیا تھا یعنی نیچر کی قوتوں کو اللہ نے بنی آدم کے لئے مسخر کر دیا تھا۔ اہل مغرب نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کر کے فطرت کی قوتوں کو مسخر کیا اور اپنے اپنے دیاروں کو جنت نظیر بنا دیا۔ گویا وہ مقام آدم تک پہنچ گئے۔ سوا بلین لوگ جو خود کو مسلمان کہتے ہیں وہ مقام آدم تک بھی نہیں پہنچ سکے۔ لہٰذا حیوانی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اقبال کے الفاظ میں ۔

بادے نہ رسیدی خدا چہ ی جوئی؟

(اے مسلمان تو مقام آدم تک تو پہنچا نہیں خدا کو کیا ڈھونڈتا ہے؟ مقام مومن کو کیا سمجھ سکتا ہے)۔

تو صاحبو! یورپ' امریکہ والے مقام آدم تک پہنچ گئے۔ مسلمان مقام مومن تو مقام آدم تک بھی نہ پا سکے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب جاننے کے بعد میں کرسچن کیوں نہیں ہوں؟ (جواب غور سے ملاحظہ فرمائیے)

ایمان کے ارکان :- صاحبو! آپ کا تعلق کسی بھی مذہب عقیدے یا فرقے سے ہو یا آپ لامذہب ہوں آپ سے گذارش ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے گذشتہ صفحات ایک بار پھر ملاحظہ فرما لیں۔ عنوان میں جو سوال ہے اس کا جواب ہم انتہائی دیانتداری سے اور بغیر کسی تعصب کے پیش کریں گے لہٰذا آپ بھی اسے کھلے دل و دماغ سے پڑھیں۔ موضوع سے متعلق اپنے بارے میں یہ سچائی ظاہر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں نے خلوص نیت سے اپنی استعداد کے مطابق دنیا کے تمام قدیم و جدید فلسفوں اور مذاہب کا مطالعہ کیا ہے۔ میں خود کو پیدائشی مسلمان نہیں سمجھتا نہ کسی فرقہ بندی میں گرفتار ہوں۔ دین اسلام پر ایمان لانے کی میرے پاس دو وجوہات ہیں اور ان ہی دو وجوہات کی بناء پر میں کرسچن نہیں ہوں۔

پہلی وجہ :- میں بخوبی جانتا ہوں کہ وہ سچا دین اسلام جو آقائے نامدار" اللہ کے حکم سے دنیا میں لائے تھے۔ آج قرآن اور ان احادیث میں (ان احادیث میں جو قرآن کی کسوٹی پر پوری اترتی ہیں) خالصتاً" موجود ہے۔ دنیا بھر کے سوا بلین مسلمان اس دین خالص سے ہٹ کر رسوم و روایات کے مذہب میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے دور اول میں دین حق کی برکتیں اور ظفر مندیاں دنیا نے دیکھی تھیں اور تاریخ کے صفحات پر نقش ہیں۔ دور حاضر میں مسلمانوں کی کج رویاں' ٹھوکریں اور غلطیاں ان کی اپنی غلطیاں ہیں نہ کہ دین حق اسلام کی۔ ذرا آگے چل کر اس نکتہ کی وضاحت کی جائے گی۔ تو پہلی وجہ یہ کہ میں جانتا ہوں کہ حالت زار کا سبب اسلام نہیں مسلمان ہیں۔

دوسری وجہ :- دوسرا سبب میرے کرسچن یا غیر مسلم نہ ہونے کا یہ ہے کہ دنیا بھر کا کوئی فلسفہ' عقیدہ اور مذہب' انسان اور کائنات کے رشتہ کو اسلام جیسی خوبی سے بیان ہی نہیں کرتا۔ نہ کوئی اور مذہب انسان کے لئے قابل عمل نظام پیش کرتا ہے نہ بنی نوع انسان کے مسائل کا حل بتاتا ہے۔

صاحبو! اب جو بات آگے چلے گی اس میں ان ہی دونوں نکات کی وضاحت کی جائے گی اور اختصار کی کوشش کے باوجود مناسب حوالے بھی دیئے جائیں گے۔ شاید ہمارے محترم ریڈر کے لئے واپسی کا راستہ اب باقی نہیں بچا لہٰذا از راہ کرم آگے پڑھئے۔

اسلام کیا ہے؟ :- صاحبو! اسلام دین ہے' نظام حیات ہے۔ دیگر جو کچھ ہے وہ مذہب ہے۔ اسلام رسمی عقیدوں اور عبادتوں کا مجموعہ نہیں نہ وہم و گمان' شگون' ٹونے ٹوٹکے' جھاڑ پھونک اور خواب و خیال کی متھولوجی Mythology ہے۔ نہ ہی داستان' قصہ گوئی اور دل بہلانے کا سامان ہے۔ یہ دین اتنا سائنٹفک ہے کہ "او سپنسکی" Ouspensky جیسا مفکر کہہ گزرا کہ جو سائنس قرآن کو جھٹلائے وہ باطل ہو گی اور گوئٹے جیسا عظیم شاعر اور دانشور کہہ گیا۔ "اسلام کی تعلیم کبھی ناکام نہیں ہو سکتی۔ کوئی بھی انسان اور کوئی بھی نظام قرآن سے آگے نہیں جا سکتا"۔

کائنات بامقصد ہے :- قرآن کے ارشاد کے مطابق نہ یہ

کائنات برہما کا خواب ہے نہ رام جی کی لیلا ہے۔ اللہ نٹ راجن (بڑا کھلاڑی) نہیں۔ نہ یہ کائنات افلاطون کے افکار جیسی چھایا ہے نہ اسے بنانے والا 6 دن میں کائنات کو بنا کر تھک گیا ہے۔ یہ کائنات یونہی کھیل کے طور پر پیدا نہیں کی گئی اسے تدبیر سے پیدا کیا گیا ہے اور ہر چیز اپنے مستقر اپنی منزل کی جانب بڑھ رہی ہے۔

"اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے ان کو کھیل کے لئے نہیں بنایا۔ ان کو ہم نے تدبیر سے پیدا کیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے"۔ 44:38-39

خالق کیسا ہے؟ :- خالق کائنات ایک ہے باقی سب مخلوق ہے۔ وہ تمام انسانوں کا رب ہے۔ وہ کالے ہوں یا گورے ہوں' غریب ہوں یا امیر' مشرقی ہوں یا مغربی' اسے مانتے ہوں یا نہ مانتے ہوں۔ وہ صرف آسمان پر تخت افروز نہیں ہر جگہ موجود ہے۔ وہ انسانوں جیسی شبیہہ سے پاک ہے۔ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے 24:35- اس کی کوئی صاحبہ نہیں 6:102 نہ اس کی کوئی اولاد ہے (سورۂ اخلاص) وہ اتنی بڑی قوت کا مالک ہے کہ وہ تمام مخلوق سے بے نیاز ہے۔ وہ اپنی قوت کو حکمت سے استعمال کرتا ہے۔ اس کا ہمسر کوئی نہیں۔ نہ شر کے خدا کا کوئی وجود ہے نہ شیطان یا ابلیس اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔

عالم امر The World of Command میں وہ اپنے ارادے کو جیسے چاہتا ہے بروئے کار لاتا ہے۔ عالم خلق "The World Of Creation" میں یعنی محسوس کائنات میں وہ اپنے قوانین نافذ کرتا ہے۔ یہ تمام محسوس کائنات اسی کے قوانین کے مطابق چل رہی ہے۔ ہم جن قوانین کو دریافت کر لیتے ہیں انہیں سائنس کا نام دے دیتے ہیں۔ سینیٹر گلین کے بقول ہم مقناطیس سے قطب نما تو بنا لیتے ہیں لیکن یہ سوئی شمال کی جانب اشارہ کرے گی' یہ قانون نہیں بنا سکتے۔ جتنی بھی مخلوق ہے وہ ان ہمہ گیر قوانین اور اصولوں سے سرتابی نہیں کر سکتی۔ پانی نشیب کی طرف بہے گا' بادلوں سے برسات ہو گی' سبزہ اگے گا' سورج چاند ستارے کہکشائیں اپنے اپنے مقام پر یا اپنے اپنے مدار پر رہیں گے' موسم آتے جاتے رہیں گے۔ زندہ اجسام پیدا ہوں گے بڑھیں پھولیں گے اور مر جائیں گے۔

انسان کو اللہ نے اختیار و ارادہ عطا کر دیا ہے۔ جس طرح کائنات کی ہر شے "اپنی تسبیح جانتی ہے" یعنی اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے اسی طرح انسان کو اس عظیم نظام کے ساتھ ہم آہنگ ہو جانے کے لئے اپنا ارادہ اور اختیار استعمال کرنا چاہئے۔ انسان کو اللہ نے اختیار و ارادہ عطا کر کے اسے آزاد چھوڑ دیا ہے۔ "لا اکراہ فی الدین" (دین میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں) قرآن میں یہ بھی ارشاد ہوا:

"کہہ دیجئے کہ لوگو! یہ قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے برحق ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے انکار کر دے" 18:29-

انسان کو کائناتی نظام سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اللہ نے اسے رہنمائی سے نوازا ہے۔

البرٹ آئن شائن نے کہا سائنس یہ تو بتا سکتی ہے کہ کیا ہے؟ یہ نہیں کہہ سکتی کہ کیا ہونا چاہئے؟ مستقل خدائی اقدار صرف مقتدر ہستیوں کی وساطت سے بذریعہ وحی مل سکتی ہیں۔ (جنہیں ہم پیغمبر کہتے ہیں)

اور ایڈنگٹن نے بڑی خوبصورتی سے کہا کہ خدا کا اقرار کرنے کا مطلب دراصل اس کے وجود کو تسلیم کرنا نہیں ہے بلکہ اس کی رہنمائی کا اقرار کرنا خدا کا اقرار ہے۔

رہنمائی :- اب دیکھئے یہ رہنمائی ہے کیا؟

ایک اللہ پر ایمان (یعنی توحید) کا ذکر ابھی گذرا ہے۔ سورۂ بقرہ آیت نمبر 177 میں حق پرستی کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اللہ پر' 2 یوم آخرت پر 3 ملائکہ پر اور 4 الکتاب پر اور 5 انبیاء پر ایمان لایا جائے۔ عام اصطلاح میں انہیں ایمان کے پانچ ارکان کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے قرآن اندھے ایمان کی تلقین نہیں کرتا بلکہ علم و بصیرت کی رو سے ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ ایک مثال دیکھئے۔ آئن شائن نے خدا کو کیسے پہچانا؟ اس کا سادہ سا لیکن موثر قول ہے۔

کائنات میں جس کمال کا نظم و ضبط دیکھنے میں آتا ہے وہ کسی حادثے کا نتیجہ نہیں ہو سکتا"۔

امریکہ کے مشہور ترین فلسفی اور دانشور کارل سیگن Carl Sagan جو غالباً" 1995ء میں فوت ہوئے ہیں کہہ گئے عناصر کائنات کی ہم آہنگی حیرت انگیز ہے۔ سیب کا حلوہ Apple Pie نقطہ اول یا صفر سے بنانے کے لئے پوری کائنات کو پھر سے ایجاد کرنا پڑے گا"۔

آخرت :- آخرت پر ایمان قدرت کے قانون مکافات پر ایمان کا نام ہے۔ جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔

"As You Sow, So Shall You Reap"

ہمارے خیالات اور اعمال کا اثر اور نتیجہ ہماری شخصیت پر نقوش بناتا ہے۔ علامہ اقبال نے دوزخ کے بارے خوب فرمایا ہے:

لال دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

اسی طرح انسان کو اپنے اچھے خیالات و اعمال کا نتیجہ خوشگوار ترین انداز میں ملتا ہے۔ اسے جنت کہتے ہیں۔ وہ جنت کیسی ہے؟ بقول اقبال

کیا بتاؤں تمہیں ارم کیا ہے؟
خاتم آرزوئے دیدہ و گوش

ملائکہ :- ملائکہ پر ایمان ان معنوں میں لایا جاتا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں جو اللہ کے قوانین کو کائنات میں نافذ العمل رکھتے ہیں۔ سرسید احمد خانؒ نے انہیں نیچر کی قوتیں "Forces of Nature" کہا۔ قرآن نے ملائکہ کی معرفت یا عرفان کا مطالبہ ہم سے نہیں کیا۔ ملائکہ ہی انبیائے کرام تک اللہ کا پیغام (وحی) پہنچاتے رہے۔

الکتاب :- ملائکہ جو پیغام انبیاء تک لاتے رہے اسے کتاب کہتے ہیں اور قرآن کریم "الکتاب" "The Book" ہے۔ الکتاب میں دین کی تکمیل ہو گئی۔ یہ ہر زمانے کے لئے اور تمام بنی نوع انسان کے لئے ہدایت نامہ ہے۔ اس میں مسلم، غیر مسلم، عربی، عجمی، یہودی، غیر یہودی، کالے، گورے، مشرقی، مغربی کسی کی تخصیص نہیں۔ قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جس کے بارے میں کیا اپنے کیا غیر سب متفق ہیں کہ اس کا حرف حرف وہی ہے جو محمدؐ پر نازل ہوا تھا۔

"میں نے تاریخ اسلام کا بھرپور مطالعہ کیا ہے۔ میں اپنی پوری ذہنی توانائی اور دل کی گہرائیوں سے گواہی دیتا ہوں کہ قرآن محمدؐ کی زندگی سے آج تک ایک حرف برابر نہیں بدلا گیا ہے۔ (سر ولیم میور)

فرانس کے ڈاکٹر مورس بو کے کی کتاب "بائبل، قرآن اور سائنس" ہمارے پاس ہے۔ صاحبو! وہ لکھتا ہے کہ تخلیق کائنات، ارتقائے عالم، ارضیات، زمین پر حیات، فلکیات، انسانی تاریخ، بچے کی شکم مادر میں تخلیق، پانی کا دوران Water Cycle علم حیوانات Zoology علم نباتات Botany کسی بھی سائنس کے بارے میں قرآن حکیم ایک جگہ بھی ایسی بات نہیں کہتا جو ثابت شدہ سائنسی تحقیق کے خلاف ہو۔ جبکہ بائبل میں قدم قدم پر ایسے مقامات بکھرے نظر آتے ہیں۔ مثلاً" قرآن یہ نہیں کہتا کہ پہلے آدمی کا وجود دنیا میں صرف سات آٹھ ہزار برس پہلے ہوا تھا یا یہ کہ زمین چپٹی ہے یا یہ کہ سورج اور تمام ستارے سیارے زمین کے گرد گردش کر رہے ہیں جیسا کہ بائبل میں درج ہے۔ صاحبو! قرآن کریم نے چودہ سو برس پہلے دنیا بھر کو چیلنج دیا کہ تم سب مل کر اس جیسی ایک سورۃ بنا لاؤ۔ آج تک کسی سے اس چیلنج کا جواب نہ بن پڑا۔

انبیاء :- انبیاء پر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم تسلیم کریں کہ وہ انسانی برادری کے لئے رول ماڈلز (نمونے) تھے۔ اللہ کا پیغام انسانوں تک پہنچانے میں ان سے کوتاہی نہیں ہوتی تھی۔ وہ بے داغ کردار کے مالک ہوتے تھے۔ تمام انسانی صفات ان کے وجود اقدس میں بدرجہ کمال موجود ہوتی تھیں۔ قرآن کے مطابق نوحؑ شراب نہیں پیتے تھے۔ نہ ان کی بیٹیاں ان سے بے حیائی کی مرتکب ہوتی تھیں۔

نہ داؤدؑ کا دل کسی پڑوسن پر آگیا تھا نہ سلیمانؑ اپنی بیویوں کے بتوں کی طرف راغب ہوئے تھے۔

نہ یعقوبؑ نے اپنے باپ کو دھوکہ دیا تھا۔ نہ ہارونؑ نے سونے کا بچھڑا بنایا تھا۔

نہ عیسیٰؑ اپنی والدہ کو ڈانٹتے تھے۔ نہ یعقوبؑ خدا سے کشتی لڑے تھے' نہ خدا نے غصے میں آکر ان کا گھٹنا اتار دیا تھا' نہ خدا کو ایسے انسان بنا کر کوئی پچھتاوا ہوا تھا۔

قرآن کے خدا کو نہ پچھتاوا ہوتا ہے' نہ نیند آتی ہے نہ وہ تھکتا ہے نہ وہ قہر و غضب کا شکار ہوتا ہے نہ کسی قوم کو اپنی چہیتی اولاد بناتا ہے۔ وہ تو یہ کرتا ہے صاحبو! کہ محمدؐ کو رحمت للعالمین بنا کر دنیا میں بھیج دیتا ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اب رحمت للعالمینؐ کا مقام عالی غیروں کی زبان سے ملاحظہ فرمایئے:

(جاری ہے)

۲۵ سالہ تجربہ کار

پیپلز کلیرنگ ایجنسی
کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ
کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے
ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔
ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی
فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ۲۴۳۱۰۴۵ - ۲۴۳۷۵۳۷
فیکس نمبر :-
ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد شرف ظفر (لاہور)

دینی جماعتیں اسلامی نظام دینے میں کیوں ناکام ہیں؟

روزنامہ جنگ لاہور 29 مارچ 2000ء کا اداریہ بعنوان "اسلامی نظام کا عملی خاکہ بھی تو پیش کریں"۔ نظر سے گزرا۔ اداریہ میں ملت کی زبوں حالی کے سلسلہ میں جن بنیادی سوالات کو جس قدر دل سوزی کے ساتھ نہایت جامع اور دو ٹوک شکل میں پیش کیا گیا ہے اس کی روشنی میں اسباب زوال امت کو کماحقہ، سمجھنے میں کوئی دشواری باقی نہیں رہتی۔ ہم روزنامہ جنگ کو اس جرات مندی اور مخلصانہ کوشش پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ یقیناً اس اداریہ کا ایک ایک لفظ ہر ذی شعور کے لئے گہرے غور و خوض کا متقاضی ہے۔

حل طلب مسائل کی اہمیت:۔ اس سلسلہ میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس قدر حقائق پر مبنی تلخ نوائی کو اعتراف حقیقت کے پیش نظر ہماری مذہبی پیشوائیت قبول کر لے گی؟ ہماری علمائے کرام سے التماس ہے کہ وہ علت مرض کا ادراک کرتے ہوئے مذکورہ اداریہ میں اٹھائے گئے اہم سوالات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور بتائیں کہ کیا وجہ ہے کہ "کسی دینی جماعت نے باضابطہ اور عصری ضرورتوں کی کفالت کرنے والا اسلامی نظام کیوں پیش نہیں کیا؟"

اس بنیادی اور اہم سوال کا کھوج لگانے کی کوشش ہمارے لئے سرخروئی اور سرفرازی کا باعث بنے گی۔ کیونکہ اسی سوال کے حل سے ہمیں یہ معلوم ہو سکے گا کہ صدیوں سے ہماری اس ناگفتہ بہ حالت کو طول دینے میں کونسا عمل دخل کارفرما ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ مسئلہ بڑا نازک بھی ہے اور حساس بھی لیکن اگر ہم آج کی نسل کے اس ذہنی اضطراب کو رفع کرنے میں کامیاب نہ ہوئے تو پھر ہم اس دور کے سب سے بڑے مجرم قرار پائیں گے۔ لہٰذا ہم پر یہ لازم ہے کہ نونہالان ملت کی اس پریشان نظری کا کوئی تشفی بخش جواب دینے کی کوشش کریں جو یہ پوچھ رہے ہیں کہ ۔

کیوں دن کی تجلی پنہاں ہے کیوں روشن روشن رات نہیں؟
پھولوں کے سہانے بربط پر کیوں پھولوں کی برسات نہیں؟

یقیناً ملت اسلامیہ کی برومندی اور شکوہ ملک و دین کا راز اسی مرکزی نکتہ کی تلاش میں ہی مضمر ہے جس کے پا لینے پر ہی ملت کا یہ اجتماعی دائرہ مکمل ہو سکے گا۔

قرآن حکیم اور کاروان انسانیت:۔ ارشاد خداوندی ہے کہ اس کی رہنمائی سے مردہ قومیں زندگی کی شاہراہ پر گامزن ہو جاتی ہیں 6:122۔ یہ نور ہدایت انسانوں کو ظلمت سے نور کی طرف لے آتا ہے 5:11, 57:9, 41:1۔ قرآن حکیم نے انسانی زندگی کے تمام خطرات سے مکمل طور پر آگاہ کر دیا ہے 6:19۔ اور یہ کتاب عظیم زندگی کے تمام اصولوں کو نہایت وضاحت کے ساتھ دلیل و براہین کے تابع بغیر کسی تضاد کے دو ٹوک انداز میں تصریف آیات کی رو سے بیان کرتی ہے 17:89, 17:41 کیونکہ اس طرح کی وضاحت خود خدا کے ذمہ تھی 17:19۔

قرآن حکیم کے باوجود یہ زبوں حالی کیوں؟:۔ تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس قسم کے روشن اور مکمل ضابطہ حیات کے باوجود ہماری نظروں سے قرآن حکیم کی متعین کردہ صراط مستقیم اس حد تک کیوں اوجھل ہو گئی کہ "ہماری کسی دینی جماعت نے باضابطہ اور عصر حاضر کی ضرورتوں کی کفالت

کرنے والا اسلامی نظام تجویز کیوں نہ کیا؟" ہمارے خیال میں اس کا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ ہمارے ہاں صدیوں سے انسانوں کی خود ساختہ فقہوں کو حرف آخر کی حیثیت حاصل ہے قرآن حکیم کے ابدی اور غیر متبدل اصولوں کو نہیں۔ اس کی زندہ مثال ہمارے ہاں کے 31 علمائے کرام کے وہ 22 نکات ہیں جو 1957ء میں کراچی میں 4 روز کی شبانہ روز کوشش کے بعد مرتب ہوئے اور ان بائیس نکات کی ایک ایک شق اجتماعیت کی بجائے انفرادیت کی ترجمان ہے مثلاً" ان بائیس نکات میں سے اس وقت شق نمبر 4 اور شق نمبر 9 کو ہی اگر دیکھا جائے تو حقیقت حال واضح ہو جائے گی۔

22 نکات کی شق نمبر 4 :- "اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ وہ کتاب و سنت کے بتائے ہوئے معروضات کو قائم کرے۔ منکرات کو مٹائے اور شعائر اسلام کے احیاء و ایماء اور متعلقہ اسلامی فرقوں کے لئے ان کے اپنے مذہب کے مطابق ضروری اسلامی تعلیم کا انتظام کرے"۔

شق نمبر 9:- "مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود و قانون کے اندر پوری مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ انہیں اپنے اپنے پیروؤں کو اپنے مذہبوں کی تعلیم دینے کا حق ہو گا۔ وہ اپنے خیالات کی آزادی کے ساتھ اشاعت کر سکیں گے ان کے شخصی معاملات کے فیصلے ان کے اپنے فقہی مذاہب کے مطابق ہونگے اور ایسا انتظام کرنے کی پوری کوشش کی جائے گی کہ انہیں کے قاضی یہ فیصلے کریں"۔

ان نکات کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو کیا امت واحدہ کے تصور کو مستقل طور پر فرقہ واریت کے علیحدہ علیحدہ خانوں میں تقسیم کرنے کی اس سے زیادہ موثر کوشش کوئی اور بھی ہو سکتی ہے؟۔

جب انسانوں کا مذہبی طور پر نظریہ حیات ہی ایک نہ ہو اور ان کے عقائد' نظریات اور تصورات ہی ایک دوسرے سے مختلف ہوں تو ان کی منزل مقصود ایک کس طرح ہو گی۔ ہمارے ہاں کی یہی وہ تضاد خیالی' اور تضاد بیانی ہے کہ جس کی وجہ سے ہماری یہ مذہبی جماعتیں کوئی ایسا قابل عمل پروگرام جو نقطہ نظر سے اجتماعیت کا حامل ہو اور وہ اپنے اپنے تقاضوں کو بھی پورا کر سکے پیش نہیں کر سکیں۔

مودودی صاحب کا اعتراف :- جہاں تک فقہ حنفی تعلق ہے تو مرحوم مودودی صاحب کا اس سلسلہ میں فرمان "دوسرا بنیادی نقص اس مسخ شدہ مذہب میں یہ ہے کہ اس اسلامی شریعت کو منجمد شاستر بنا رکھا ہے" (بحوالہ ترجمان القرآن' محرم 1360)۔

لیکن افسوس تو یہ ہے کہ اس حقیقت کو اس قدر واضح انداز میں تسلیم کرنے کے باوجود اکثریت کی بنا پر مودودی صاحب نے ملک میں فقہ حنفی کو ہی نافذ کرنے کا حکم دیا۔ اور آج ڈاکٹر اسرار احمد صاحب بھی یہی فرما رہے ہیں۔

(بحوالہ روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ 12 جولائی 1986ء)

فرمودۂ اقبال :- ہماری یہی وہ تباہ کن سوچ ہے جس کے پیش نظر علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔

"تمہارے دین کی یہ عظیم الشان بلند فطری ملاؤں اور فقہوں کے فرسودہ اوہام میں جکڑی ہوئی ہے اور آزادی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے ہم حالات و جذبات کے ایک قید خانے میں محبوس ہیں جو صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر لیا ہوا ہے اور ہم بوڑھوں کے لئے شرم کا مقام ہے کہ ہم نوجوان نسل کو ان اقتصادی' سیاسی بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضر میں آنے والے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ پھر نئی آرزوؤں اور نئی تمناؤں اور نئے نصب العین کی امنگ کو محسوس کرنے لگ جائے"۔

فقہ اسلامی کی تشکیل جدید پر علامہ کا اجتہاد :- کس قدر۔ خوب ہیں یہ الفاظ ملک کے مشہور شاعر جناب احمد فراز صاحب کے کہ "انسان اجڑے شہر بسا سکتا ہے (لیکن) تباہ حال نسل سنوارنا مشکل ہے"۔ اور یہ مشکل کام صرف اور صرف کتاب اللہ کی راہنمائی سے آسان ہو سکتا ہے' فقہوں کے نفاذ

سے نہیں۔ بہرحال فقہ کی تشکیل جدید کی یہی وہ اہمیت تھی جس کے شدید احساس نے علامہ اقبال کو پریشان کر رکھا تھا۔ اگر قارئین کو علامہ کی اس فکر مندی کا کچھ اندازہ کرنا ہو تو ہماری التماس ہے کہ وہ جناب محمد یوسف گورایہ صاحب کے مضمون "پاکستان' اقبال اور اجتہاد" کا مندرجہ ذیل اقتباس کا بغور مطالعہ فرمائیں۔

"آخری عمر میں علامہ اقبالؒ فقہ کی تشکیل جدید کے شدید احساس میں مبتلا تھے۔ وہ اسلام کی نئی فقہ مرتب کرنے کے شدید طور پر آرزو مند تھے۔ انہوں نے "تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ" بزبان انگریزی جو کتاب لکھی تھی اس میں دور جدید میں اجتہاد کے اصول بیان کر دیئے تھے۔ یہ کتاب 1928ء میں مکمل ہو گئی تھی اس کے دو سال بعد 1930ء میں انہوں نے ایک جدید اسلامی ریاست۔۔۔ پاکستان کے قیام پر مبنی اجتہاد پیش کیا۔ ان کا یہ اجتہاد اتنا مقبول ہوا کہ برصغیر کے مسلمان اسے عملی شکل دینے کے لئے بے تاب و بے قرار ہو گئے۔ اس سے علامہ اقبالؒ کو یقین ہو گیا کہ پاکستان بن جائے گا تو اسے نئی فقہ کی ضرورت ہو گی۔ نئی فقہ نئے اجتہاد کے بغیر ممکن نہیں۔ نیا اجتہاد' اجتہاد کے باعث نئے اصول چاہتا ہے۔ قدیم فقہ اور اس کے اصول فقہ نئے اجتہاد کے لئے کارآمد نہیں رہے تھے۔ انہی احساسات کے تحت انہوں نے نئے اجتہاد پر مبنی فقہ مرتب کرنے کے لئے عملی اقدامات کئے۔

قرآن حکیم کا معاشی نظام:- اداریہ زیر نظر میں معاشی نظام کا ذکر کرتے ہوئے سود کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ

"دوسری بات جو عام مسلمان یا پاکستانی کی سمجھ میں نہیں آتی وہ یہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام عوام کو اب تک یہی نہیں بتا سکے کہ ان کے ذہن میں دین' شریعت' نظام مصطفیٰ یا حکومت الٰہیہ کا جو بھی تصور ہے وہ آج کے دور کے تقاضوں کو کس طرح احسن طور پر پورا کرتا ہے۔ ان کا ایک بڑا مطالبہ سود کے ختم کرنے کا ہے۔ سود کے حرام ہونے کے بارے میں قرآن مجید کے جو احکام موجود ہیں ان کے بارے میں کسی ذہن میں کوئی اشتباہ موجود نہیں۔ مگر علماء کرام خود موجودہ مالیاتی اور بنکاری کے نظام میں رائج سود کا کوئی ایسا متبادل پیش نہیں کرتے جسے اقتصادی فہم و شعور سے بہرور ہر مسلمان یا انسانی سمجھ قبول کر سکے"۔

طلوع اسلام اور ربٰو:- نظام ربٰو کے سلسلہ میں ادارہ "طلوع اسلام" کی طرف سے جو مختصر اور جامع تعریف پیش کی گئی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں قارئین کی خدمت میں پیش کر دی جائے اور وہ اس لئے کہ جس مسئلہ کو ہمارے ہاں اس قدر پیچیدہ بنا دیا گیا ہے اسے سمجھنے میں شاید آسانی پیدا ہو سکے۔ چنانچہ تحریر ہے کہ

"قرآن کریم نے لاگت پر کچھ زیادہ وصول کر لینے کو تجارت قرار دے کر اس منافع کو جائز قرار دیا تھا۔ یہ درحقیقت اس چیز کے فروخت کرنے والے کی محنت کا معاوضہ تھا۔ قدیم زمانہ میں تجارت جان جوکھوں کا کام ہوتا تھا۔ جو قافلہ ترکستان سے سامان لاد کر پہاڑوں دریاؤں' صحراؤں' جنگلوں' پرخطر راستوں' برفانی چوٹیوں کو عبور کرتا ہوا مہینوں کے بعد' ہندوستان پہنچتا تھا وہ جو کچھ اپنے مال پر زائد وصول کرتا تھا' وہ اس محنت کا معاوضہ تھا۔ اسے قرآن نے ربٰو کی حد سے خارج قرار دیا تھا۔ لیکن اب کیفیت یہ ہے کہ ایک شخص ایک کمرہ میں میز کے سامنے بیٹھا ٹیلی فون پر سودے پر سودا کرتا چلا جاتا ہے۔ نہ حقیقتاً کچھ خریدتا ہے نہ بیچتا ہے۔۔۔ اور اس طرح شام کو ہزاروں روپے اس کے بینک میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اسے تجارت قرار دیا جاتا ہے۔ یہ ہزاروں روپے کہاں سے آتے ہیں؟ ان اشیاء کے صارفین کی جیب سے۔ کیا یہ صارفین کی گاڑھے پسینے کی کمائی کو غصب کر لینے کے مترادف نہیں؟۔۔۔ لیکن مذہبی پیشوائیت کا نظام اسے ربٰو قرار نہیں دیتا۔ وہ دوسروں کی محنت غصب کر لینے کے ان تمام طریقوں کو حلال و طیب قرار دیتا ہے' اور اس سے جب محنت کش یا صارفین غریب ہو جاتے ہیں تو ان زمینداروں' کارخانہ داروں اور اس قسم کے منافع خوروں' سوداگروں سے اپیل کرتا ہے کہ ان غریبوں کو خدا کے واسطے

کچھ دے کر اپنا گھر جنت میں الاٹ کرا لیں۔ یا حج کر کے اپنے سب گناہ بخشوا لیں۔ حالانکہ **وھو محرم علیکم اخراجھم**۔ ان محنت کشوں کی محنت کو غصب کر کے اپنی تجوریاں بھرتے چلے جانا ایسا سنگین جرم تھا جسے خدا اور رسول کے خلاف بغاوت قرار دیا گیا تھا۔ غلط نظام کی عدالت چور ڈاکو رہزن کو مجرم قرار دے کر مستوجب سزا ٹھہرائے گی۔ لیکن اس قسم کے رہزنوں اور قزاقوں کو کسی جرم کا مرتکب قرار نہیں دے گی۔ علمائے کرام روپیہ کا سودی کاروبار کرنے والے کو جہنم کا ایندھن بتائیں گے لیکن ربٰو کی ان دوسری شکلوں میں سر سے پاؤں تک ڈوبے رہنے والوں کو پکے اور سچے مومن قرار دیں گے"

اس تحریر کے بعد ادارہ "ربٰو حرام بھی ہے اور حلال بھی" کے زیر عنوان تحریر کرتا ہے۔

ربٰو حرام بھی ہے اور حلال بھی:- "ہماری مذہبی پیشوائیت ربٰو کو جائز تو نہیں قرار دے سکتی تھی۔ لیکن اس نے ربٰو کی تعریف ایسی کر دی جس میں دوسروں کی محنت غصب کر کے لے جانا شیر مادر کی طرح حلال و طیب قرار پا گیا۔ انکے نزدیک اگر ایک شخص کسی کو کچھ روپیہ قرض دے تو اس اصل زر سے کچھ زیادہ وصول کرنا ربٰو ہے اور بس۔ یعنی زمیندار کا کاشت کار کے گاڑھے پسینے کی کمائی سے پیدا کردہ فصل کا آدھا سمیٹ لینا ربٰو نہیں۔ صاحب جائداد کا مکانوں کا کرایہ وصول کرنا ربٰو نہیں۔ ایک کارخانہ دار کا ہزار ہا مزدوروں کی محنت کے ماحصل میں سے اسے کچھ روپے روزانہ دے کر باقی سارا مال ہضم کر لینا ربٰو نہیں۔ دکاندار کا ملازم کو کم از کم اجرت دے کر باقی سارا مال ہڑپ کر جانا ربٰو نہیں۔ آپ نے دیکھا کہ مذہبی پیشوائیت نے ربٰو کی غلط تعریف سے ایک مختصر سی شکل کو چھوڑ کر ربٰو کے سارے کاروبار کو کس طرح حلال و طیب قرار دے دیا ہے"۔

ربٰو کے سلسلہ میں ادارے کی اس وضاحت کے بعد آپ کی خدمت میں سود ہی کے متعلق پاکستان کے مشہور کالم نگار جناب عبدالقادر حسن صاحب کی ایک خوبصورت تحریر پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں۔

"ہمیں اپنے آس پاس اب نہایت واضح ہو کر نظر آرہا ہے۔ ہمارے بنکوں میں دو کاؤنٹر پہلو بہ پہلو کھلے ہوتے ہیں۔ ان میں ایک پہ غیر اسلامی بنکاری ہوتی ہے اور دوسرے پر اسلامی بنکاری' ایک پر سودی کاروبار ہوتا ہے۔ اور دوسرے پر سود سے پاک معیشت سے کاروبار کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ گویا اسلام اور کفر کو ہم ایک ہی گھاٹ کا پانی پلا رہے ہیں۔ کفر و اسلام کے اس اتحاد پر ہم فخر بھی کرتے ہیں اور اسے اسلامی معیشت کی جانب ایک مثبت اور کامیاب کوشش قرار دیتے ہیں۔ ہماری یہ دوغلی اور دو رخی پالیسی اس وقت تین رخ اختیار کر جاتی ہے' جب ہمیں بنک کا منیجر یہ بتاتا ہے کہ اسلامی اور غیر اسلامی کاؤنٹر پر کھلنے والے کھاتے درحقیقت ایک ہی ہیں اور دونوں کے ذریعے جمع کیے جانے والے سرمایہ کی ایک ساتھ سرمایہ کاری کی جاتی ہے۔ ایک کا سود مقرر کر دیا گیا ہے اور دوسرے کا منافع مقرر نہیں ہے۔ سود کے تعین کا پہلے سے فیصلہ کر دیا گیا ہے اور روپیہ جمع کرانے والے کھاتہ دار کو علم ہوتا ہے کہ سال بعد اسے کتنا سود ملے گا لیکن غیر سودی بنکاری کھاتہ دار کو ہم سال بعد بتاتے ہیں کہ اسے کس قدر منافع دیا گیا ہے۔ اب یہ دونوں کھاتے داروں کی اپنی مرضی ہے کہ وہ اسے سود سمجھیں یا منافع یا کوئی اور اچھا سا نام دے دیں جو انہیں زیادہ پسند ہو۔"

(بحوالہ روزنامہ جنگ لاہور۔ مورخہ 21 جنوری 1984ء)

متضاد نظریات کا نتیجہ:- یہی وہ متضاد نظریات ہیں کہ جن کے تحت ہماری یہ پژمردہ حالت بتا رہی ہے کہ کہیں غلطی ضرور ہے۔ لیکن افسوس کہ اس کے باوجود امت صدیوں سے قرآن حکیم کے معاشی نظام کو عملی طور پر نافذ نہیں کر سکی اور شاید اس کی بنیادی وجہ ہی یہ ہے کہ ہمارے ہاں ربٰو کا وہ مفہوم متعین نہیں جو خود قرآن حکیم نے تصریف الآیات کی رو سے بیان فرمایا ہے نتیجہ یہ کہ ہم پوری دیانتداری کے ساتھ رزق کے سرچشموں پر ذاتی ملکیت کے تصور پر ایمان رکھتے ہوئے

محنت کے ماحصل کی بجائے روپے کے ماحصل کو بھی جائز سمجھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ سود کو بھی حرام جانتے ہیں۔ لہٰذا عملاً اور قولاً" ان متضاد نظریات کے باعث ہم صدیوں سے قرآن کے معاشی نظام کی ثمرباریوں سے محروم حسرت و یاس کے مارے ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھتے چلے آرہے ہیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ اس جہنم سے نکلنے کی کوئی تدبیر بتا سکے۔

قرآن کے معاشی نظام میں ملکیت زمین کا تصور:-

جہاں تک قرآن مجید کے معاشی نظام میں ملکیت زمین کے تصور کا تعلق ہے تو وہ قطعی طور پر صحیح نہیں کیونکہ رزق کے تمام سرچشموں میں سے زمین کو اولیت حاصل ہے چنانچہ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل قرآن حکیم کے حوالے دیکھے جا سکتے ہیں جو تبویب القرآن جلد سوم سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

قرآن کا معاشی نظام:- 1- زمین' تمام افراد کو رزق بہم پہنچانے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں رہتی۔ (15:20), (20:54), (79:33), (80:36)-- خدا کی زمین' خدا کی مخلوق کے لئے۔ (7:73), (11:64), (26:155), (41:10), (55:10), (91:13)-

2- فصل اگانے میں انسان صرف محنت کرتا ہے۔ باقی سب کچھ خدا کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ (56:63-73), (67:21;30), (91:24-32)-

عطائے رب پر ذاتی ملکیتوں کے بند نہیں باندھے جا سکتے۔ (17:18-21), (107:7)-

ان کا ذاتی مالک بن جانا' خدا کے ہمسر بن جانے کے مرادف ہے۔ (2:22), (27:60-61)-

3- زمین میں جو کچھ ہے خدا کا ہے۔ (16:52), (23:84)-

4- جب رزق کے ذرائع قوانین خداوندی کے تابع آجائیں تو پھر "آسمانوں کا خدا" عملاً "زمین کا بھی خدا" بن جاتا ہے۔ (6:3-4), (16:52), (21:21), (29:60), (43:84)-

5- ہر شخص (جو محنت کرنے کے قابل ہے) پوری پوری محنت کرتا ہے اور اس میں سے صرف بقدر اپنی ضروریات کے لے کر باقی سب نظام اسلامی کی تحویل میں دے دیتا ہے۔ (2:219)- اس طرح فاضلہ دولت کسی کے پاس نہیں رہتی۔

6- مختلف انسانوں میں صلاحیتوں کا فرق' تقسیم کار کے لئے ہوتا ہے۔ (43:22)- اس سے ہر شخص اپنی اپنی صلاحیت کے ماحصل کا ذاتی مالک نہیں بن جاتا۔ (16:53)-(16:71)- یہ سرمایہ داری کا پیدا کردہ باطل تصور ہے جس کی رو سے انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی ہنرمندیوں کے ماحصل کا آپ مالک ہے۔ اس ذہنیت کو قارونیت کہتے ہیں۔ (28:78), (39:49)-

7- یہ تصور خلاف قرآن ہے کہ اس مال میں سے کچھ خدا کے لئے دے دیا جائے تو اس سے جنت مل جاتی ہے۔ (41:50)- اپنی ضروریات سے زائد سب کا سب دے دیا جائے گا۔ (2:219) بلکہ دوسروں کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دی جائے گی۔ (59:9)-

8- اس میں ماپ تول کے پیمانے صحیح صحیح ہوتے ہیں۔ (6:153), (4:85), (11:84-85), (17:35)- اس میں نہ کسی پر ظلم ہوتا ہے نہ استحصال۔ (20:15), (20:112)- اس میں صلوٰۃ کا دائرہ' معاشیات کو بھی محیط ہو جاتا ہے۔ یعنی معاشیات' قوانین خداوندی کے تابع آجاتی ہے۔ (11:87)-

9- مفاد پرست گروہ (مترفین) اس نظام کی سخت مخالفت کریں گے۔ (23:53), (34:34)- مذہبی پیشوا ان مفاد پرستوں کے ہم نوا ہوں گے۔ (9:34-35) لیکن جب عالمگیر انسانیت اس کے لئے اٹھ کھڑی ہو گی تو یہ مخالفتیں ناکام رہ جائیں گی۔ (83:5-6) مفاد پرستوں کے گروہ راستے سے ہٹا دیئے جائیں گے۔ (83:1-4) جو لوگ اس نظام کی مخالفت میں روپیہ صرف کرتے تھے' انہیں افسوس ہو گا کہ انہوں نے اپنی دولت یوں ضائع کر دی۔ (8:36)- اس وقت ہر ظالم کی جڑ کٹ جائے گی اور خدا کی ربوبیت عام ہو جائے گی۔ (6:45)- یہی اسلامی نظام کا منتہیٰ ہے۔ (10:10)-

10- لیکن یہ نظام ان لوگوں کے ہاتھوں متشکل ہو گا جو اخروی زندگی پر ایمان رکھیں اور جب کسی دنیاوی فائدے اور مستقل اقدار خداوندی میں ٹکراؤ ہو' تو وہ مستقل قدر کو' مفاد عاجلہ پر ترجیح دیں اور اس طرح زندگی کی ارتقائی راہوں میں آگے بڑھتے چلے جائیں۔ (57:20-23)- اس کی حفاظت کے لئے ضابطہ قوانین کے ساتھ تلوار کی بھی ضرورت ہو گی۔ (57:25)- کیونکہ مفاد پرست گروہ (نظام سرمایہ داری کے علمبردار) اس کی انتہائی مخالفت کریں گے۔"

مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات یقیناً واضح ہو چکی ہو گی کہ قرآن حکیم کے پیش کردہ معاشی نظام میں رزق کے چشمے جب عام انسانوں کی ملکیت سے نکل کر بطور امانت اسلامی نظام یا اسلامی حکومت کی تحویل میں آجائیں تو پھر معاشرہ میں سرمایہ داری کا نہال حشیش کبھی پروان نہیں چڑھ سکتا اور اس طرح سودی نظام کے تمام سوتے از خود بند ہو جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محتاج نہیں رہتا اور نہ ہی کوئی کسی کو محکوم بنا سکتا ہے۔ یہی وہ قرآنی حقیقت ہے کہ جس کے پیش نظر جناب چیف جسٹس سپریم کورٹ ایران مسٹر جسٹس محمد حسین بہشتی مرحوم نے فرمایا تھا کہ

"اسلام کے اقتصادی قوانین کے مطابق دولت کے تمام قدرتی ذرائع چاہے وہ خشکی پر ہوں یا سمندر میں یا فضا میں عام انسانوں کی ملکیت ہیں اور وہ کسی طرح بھی کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہو سکتے"۔ (بحوالہ اسلام دین حکمت اردو ترجمہ (508-510)

اور اس عقیدہ کو علامہ اقبال نے حل کرنے کی غرض سے ملکیت زمین کے سلسلہ میں فرمایا

وہ خدایا یہ زمین تیری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں' تیری نہیں' میری نہیں

سو یہ ہے قرآن کا وہ معاشی نظام جس کی تکمیل کی امید کے سہارے علامہ اقبال ہی فرماتے ہیں کہ

جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

وزارت مالیات کی رپورٹ:- ربٰو' زکوٰۃ اور عشر' جس پر ہمارے ہاں اس قدر اختلافات پائے جاتے ہیں اور جس کے مفہوم کے سلسلہ میں پاکستان ہی نہیں بلکہ صدیوں سے پوری ملت اسلامیہ گرفتار ہے' کی اصل حقیقت کو جاننے کے لئے حکومت پاکستان کی وزارت مالیات کی طرف سے مقرر کردہ کمیٹی کی اس رپورٹ کا مطالعہ یقیناً حیرت انگیز اور بصیرت افروز ہو گا جو اسلام آباد سے شائع ہونے والے روزنامہ "دی مسلم" نے اپنی اشاعت 7-6 اور 11 نومبر 1980ء میں بالاقساط شائع کی اور جس کے چند ایک اہم اقتباسات ماہنامہ "طلوع اسلام" لاہور جنوری 1981ء کے شمارے میں شائع ہوئے۔ اس رپورٹ کے اثرات اگر آج نہیں تو کل ضرور مرتب ہوں گے۔

میرا خیال ہے کہ اس رپورٹ کے اگر زیادہ نہیں تو صرف دو ایک اقتباس پیش کر دیے جائیں تو اس سے جہاں زکوٰۃ اور ربٰو کے قرآنی مفہوم کا کچھ اندازہ ہو سکے گا وہاں ذاتی ملکیت کی قرآنی حیثیت بھی واضح ہو جائے گی اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ ہماری فرقہ واریت پر مبنی مروجہ تفاسیر اور ان کے عائد کردہ مروجہ قرآنی تراجم نے ہمیں کہاں لاکھڑا کیا ہے۔

رپورٹ کا آغاز ان الفاظ میں ہوتا ہے:

"ارض و سمٰوٰت اللہ کی ملکیت ہے۔" (3:180)-

اس کے بعد قرآن کے معاشی نظام کا مقصود و منتہٰی یہ بتایا گیا ہے کہ "کرہ ارض پر کوئی ذی حیات ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو۔" (11:4) رپورٹ صفحہ 5

دوسرے مقامات پر اس اجمال کی تفصیل ان الفاظ میں دی گئی ہے:

دولت تمام کی تمام خدائی ملکیت ہوتی ہے اور انسان اس کا امین ہوتا ہے نہ کہ مالک۔ یہ اسلام کی منفرد خصوصیت ہے۔ ایک طرف یہ نظام سرمایہ داری سے یکسر متمیز ہے جس میں ذاتی ملکیت کو مقدس قرار دیا جاتا ہے اور اس کے لیے بہرحال تحفظ ضروری ہوتا ہے اور دوسری طرف سوشلزم سے متمیز جس میں دولت کو مملکت کی ملکیت ٹھہرایا جاتا ہے۔" (صفحہ 3)

اور اس بنا پر کہا گیا ہے کہ:

"معاشی نظام کے اسلامیانے کے پروگرام میں سب سے اہم اور بنیادی سوال ذاتی ملکیت کے انسٹی ٹیوشن کو مسلمان کرنا ہے۔ اس انسٹی ٹیوشن کی بنیاد نظام جاگیرداری اور سرمایہ داری پر ہے۔ اس سلسلہ میں زمین کی انفرادی ملکیت کا سوال سب سے اہم ہے۔ یہ نہ صرف ناہمواریوں کا سرچشمہ ہے بلکہ معاشی فسادات اور اخلاقی انحطاط کا موجب بھی ہے اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کی اصلاح اس طرح کی جائے کہ یہ "ملکیت" کے دائرے سے نکل کر امانت کے احاطہ میں آجائے"۔ (صفحہ 13)

اور اس کے بعد زمین کی ذاتی ملکیت کے سلسلہ میں مزید لکھا ہے کہ:

"دولت کی غلط تقسیم کی وجہ سے شدید ناہمواریاں پیدا ہو چکی ہیں اور زمین کی ذاتی ملکیت اس کا بہت بڑا سبب ہے۔" (صفحہ 4)

کمیٹی قرآنی تعلیم کی روشنی میں ذاتی ملکیت کا یہ تصور پیش کرنے کے بعد ربٰو اور زکوٰۃ پر بحث ان الفاظ میں کرتی ہے:

نظام سرمایہ داری کو علی حالہ قائم رکھنا اور یہ سمجھنا کہ سود کو ختم کر دینے سے تمام مسائل حل ہو جائیں گے۔ اور ہم اطمینان اور مسرت کی زندگی بسر کریں گے، شیخ چلی کی سی باتیں ہیں۔ یہ کمیٹی اس قسم کے مشورہ کو بالکلیہ مسترد کرتی ہے۔ کمیٹی کا نظریہ یہ ہے کہ اسلام جب ربٰو کو ختم کرتا ہے تو وہ حقیقت میں پورے کے پورے نظام سرمایہ داری کو ختم کرتا ہے۔" (صفحہ 4)

ربٰو کی اس بحث کے بعد مروجہ زکوٰۃ پر بھی بڑے عالمانہ انداز میں گفتگو کی گئی ہے۔ لکھا ہے:

"آج کل جس پروگرام کو اسلام کے اقتصادی نظام کے بلند دعوے کے ساتھ عام کیا جا رہا ہے، وہ عوامی سطح پر زکوٰۃ کی ترویج اور سود کے خاتمہ سے متعلق نہایت مبہم اور غیر واضح خیالات کی نشرواشاعت سے زیادہ کچھ نہیں۔ تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ اسلامی اقتصادیات کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اس قسم کا دعویٰ غلط اور باطل ہے۔ اس لئے کہ کسی اقتصادی نظام بالخصوص اسلام کے اقتصادی نظام کو اس قسم کے دو اجزاء میں سمٹایا نہیں جا سکتا۔ علاوہ ازیں اگر ایسا کرنا ممکن بھی ہو تو پھر بھی یہ اشد ضروری ہے کہ اسلامی نظام کے ان اہم عناصر کا صحیح مفہوم سمجھا جائے۔ اس حقیقت کو بھی آسانی سے واضح کیا جا سکتا ہے کہ اسلام جب ربٰو کو مسترد کرتا ہے تو درحقیقت پورے کے پورے سرمایہ دارانہ نظام کو مسترد کرتا ہے۔ وہ نظام جس کی بنیاد ہی غریبوں کی محنت کے استحصال پر قائم ہے۔ جہاں تک زکوٰۃ کا تعلق ہے وہ اسلام کے بلند ترین مساویانہ اقتصادی فلسفہ کی ایک علامت ہے۔ یہ کہنا کہ سود مٹ گیا تو سرمایہ داری نظام مٹ جائے گا۔ اور اگر امیروں سے ڈھائی فیصد کے حساب سے زکوٰۃ وصول کر لی تو اس سے غریبوں کی احتیاج اور افلاس کا مسئلہ حل ہو جائے گا اور امیروں اور غریبوں کے درمیان حائل خلیج پٹ جائے گی۔ دور حاضر میں ان معاشی مسائل کی اہمیت اور نوعیت کا صحیح اندازہ لگانے کے متعلق اپنی جہالت کا مظاہرہ کرنا ہو گا۔ امیروں کے ہاتھوں غریبوں کے استحصال کے مزید دروازے کھول دے گا اور اڑھائی فی صد زکوٰۃ اقتصادی ناانصافیوں کے دور کرنے کے لئے قطعاً" ناکافی ہو گی۔ اس کے بعد سوچئے کہ جو اصلاحات اسلام کے نام سے نافذ کی جائیں جب وہ اقتصادی استحصال کو دور کرنے میں ناکام رہ جائیں اور یہ ناکامی خود ان اصلاحات کی پیدا کردہ ہو تو اس کے بعد اصلاح احوال کی کیا صورت ہو گی؟ اس سے حالت بد سے بدتر ہو جائے گی۔" (صفحہ 10)

ربٰو کس طرح ختم ہو سکتا ہے؟:- "مختصراً" جب تک نظام سرمایہ داری قائم ہے ربٰو کو ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو نظام سرمایہ داری کے ختم ہونے سے ہی ہو سکتا ہے۔ نہ ہی ربٰو کا نام منافع رکھنے سے ختم ہو گیا ہے اس قسم کی تجاویز کو یکسر مسترد کر دینا چاہئے۔" (صفحہ 27)

بہرحال وزارت مالیات کی رپورٹ میں اڑھائی فی صد زکوٰۃ

اور سود کے مروجہ عجمی مفہوم کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ کس حد تک صحیح ہے۔

پاکستان کی وزارت مالیات کی اس پیش کردہ رپورٹ سے یہ بخوبی اندازہ ہوا جا چکا ہو گا کہ ہمارے ہاں اڑھائی فی صد زکوٰۃ کا تصور اور سود کا مروجہ مفہوم کس قدر غیر قرآنی ہے۔ بہرحال نظام سرمایہ داری کی بنا پر آج نوع انسانی کس قسم کی گھمبیر مشکلات سے دوچار ہے اور اس کے نتیجہ میں انسانی نفسیات کس کس قسم کی مہلک بیماریوں کی شکار ہو کر رہ جاتی ہے اس کی تصور کشی بڑے ہی جامع انداز میں جناب قمربٹ صاحب کے اس مضمون سے ہو سکے گی جو آپ نے تعمیر انسانیت کے حوالہ سے تحریر کیا۔ ملاحظہ کریں۔

نظام سرمایہ داری کے ثمرات:- "سرمایہ دار اور بااختیار لوگ دنیا کے جس مقام یا خطے میں آباد ہیں ان کی فکر و سوچ میں یکسانیت ہے خواہ وہ کسی قسم' مذہب' نظام' رنگ اور نسل سے تعلق رکھتے ہوں۔ دوسرے تمام تعلق ان کے لئے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی سب سے بڑی پہچان اور شناخت ان کا مال و دولت اور ملکی حکمرانی میں ان کے اختیارات اور پہنچ (Resources) ہوتی ہے۔ ان کا مذہب مال و دولت میں روزافزوں اضافہ کرنا ہے۔ علوم و فنون اور اعلیٰ تعلیم محض اس لیے حاصل کرتے ہیں کہ انہیں ایسے کسب و ہنر میں کمائی حاصل ہو جائے تاکہ وہ سرمائے اور اثاثے میں گراں قدر اضافہ حاصل کریں اور اپنے مطلوبہ اہداف تک ان کی رسائی حاصل ہو جائے۔ بظاہر بڑی نرم گفتگو کرتے ہیں جس میں انسانیت نوازی کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔ اخوت اور مساوات انسانیہ ان کے موضوعات ہوتے ہیں لیکن علامہ اقبالؒ کے بقول ۔

یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات"

اس کے بعد جناب قمربٹ صاحب تحریر کرتے ہیں کہ :

"محنت کا معاوضہ زمیندار ور صنعت کار خود متعین اور مقرر کرتے ہیں جو ہمیشہ محنت کے محاصل سے بہت کم ہوتا ہے۔ پہلے زرعی غلام اور صنعتی اجرتی غلام (Free Slave) آمدنی کی وجہ سے ذہنی اور جسمانی امراض کے دائمی مریض اور کم خوری کی وجہ سے تپدق میں مبتلا ہوتے ہیں۔ برعکس دولت مند لوگ بسیار خوری کے امراض کا شکار ہوتے ہیں لیکن بے پناہ دولت کے باعث اپنے ہر مرض کا علاج بڑے معالجوں سے کرا سکتے ہیں۔ اور انہیں علاج معالجے سہولت کی وجہ سے کوئی پریشانی نہیں ہوتی۔ سرمایہ دار اور متمول لوگ دنیا کی تمام آبادی کا بیس فیصد بھی نہیں لیکن آمدنی والے حاجتمند نان شبینہ سے محتاج اور غریب لوگ اسی فیصد سے زیادہ ہیں۔ بیس فیصد لوگ اسی فیصدی لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔ اور امیر لوگوں کو اجتماعی طور پر یہ ڈر' خوف اور حزن' کھائے جاتا ہے کہ غریب لوگ یعنی بھوکے ننگے اور مفلس و کنگال ہمارے خلاف کہیں اٹھ کھڑے نہ ہوں اور ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر ہلہ بول دیں۔ لہٰذا انہوں نے صدیوں سے ہی اپنی حفاظت کا اہتمام کر رکھا ہے۔ دنیا بھر کی حکومتیں سرمایہ داروں کے گھر کی لونڈیاں ہیں۔ ان کی مدد سے بھوکے ننگے لوگوں کا دل طوفان ٹھنڈا کرنے کے لئے اور اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے پولیس' فوج' قانون ساز ادارے' عدالتیں' جیلیں' پھانسیاں اور بہت سے ایسے ہی اداروں پر ان کا قبضہ ہے۔ استحصال زدہ اور ظلم کی چکی میں پسنے والوں کو خاموش کرنے اور ان کو سزائیں دینے کے لئے ہمیشہ یہ حربے آزمائے جاتے ہیں۔ انسان کو سرکس کے شیر کی طرح بھوکا رکھا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے ماسٹر کے اشاروں پر کرتب دکھاتا رہے۔ ریچھ پیٹ کی خاطر گلی کوچوں میں ناچتے رہتے ہیں اور گنجی سالیوں کے چرخے کاتتے رہتے ہیں اس لئے کہ ان کی ناک میں نکیل ڈال دی جاتی ہے۔ ڈھیروں سونا چاندی کے مالک اور سینکڑوں میلوں میں پھیلی ہوئی زمینوں کے مالک جاگیر دار بے پناہ قوت اور اختیار پر قابض ہوتے ہیں ان کے لئے مفلسوں اور محتاجوں کو مرعوب کرنا اور انہیں آزادی سے محروم رکھنا کوئی مشکل کام نہیں۔۔۔۔

ہوائیں ان کی فضائیں ان کی سمندر ان کے جہاز ان کے
رہ بھنور کی کھلے تو کیونکر بھنور ہے تقدیر کا بہانہ"
(اقبالؒ)

(اور پھر دوسری طرف)

"مذہبی پیشوائیت اور اس کے حواری عام لوگوں میں یہ عیارانہ اور باطل پر مبنی تعلیم ذہن نشین کرانے میں مصروف ہیں کہ دنیا میں بھوکوں ننگوں اور حاجتمندوں کی موجودگی منشائے خداوندی کی دلیل و برہان ہے۔ متمول اور صاحبان ثروت اپنے گناہوں کو بخشوانے اور اللہ کی رضا جوئی کے حصول کے لئے مجبوروں' لاچاروں' مفلسوں اور فاقہ کشوں کو بھیک' خیرات' صدقات اور زکوٰۃ کی شکل میں مدد کرتے رہتے ہیں۔"

چنانچہ آخر پر موصوف لکھتے ہیں کہ:

"تاریخ شاہد ہے کہ بادشاہوں نے' دنیا بھر کے غاصبوں' مہذب لٹیروں اور جمہوری حکمرانوں نے مذہبی پیشوائیت سے ساز باز اور گٹھ جوڑ کر رکھا ہے اور ان مذکورہ شخصیتوں سے مالی حصہ اور معاوضہ بھی لیتے ہیں اور عزت و احترام کے گلدستے بھی نذرانے کے طور پر وصول کرتے ہیں۔ ان کی راہنمائی میں سماوی کتابوں کی عملی اتباع نہیں کی جاتی بلکہ محض گناہ بخشوانے کے لئے زبانی کلامی انہیں پڑھا جاتا ہے۔ گویا کسی نہ کسی طرح اپنی غلط کاریوں اور بداعمالیوں کو بخشش کے آب حیات سے دھو ڈالا جائے۔ خدا کی نازل کردہ کتاب میں جو طرز زندگی اختیار کرنے کی تعلیم ہوتی ہے' اسے چھپایا جاتا ہے۔ (افسوس) دنیا کے کسی بھی ملک میں کوئی ایسا قانون منظور نہیں کیا گیا جس کی بنیاد اور اساس پر کوئی حاجتمند اور ضروریات زندگی سے محروم انسان کسی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکے کہ میرے بال بچے مسلسل فاقے میں مبتلا ہیں۔ میرا اعتراض اور دعویٰ سنا جائے یا میری شکایت کو قانونی شکل دی جائے کہ جو ہماری محرومیوں اور مایوسیوں کے ذمہ دار ہیں انہیں عبرتناک سزا دی جائے۔"
(بحوالہ "تعمیر انسانیت" اگست 1986ء)

کاش ہمارے سامنے زکوٰۃ کے اس جاگیردارانہ (صاحب نصاب) تصور کی بجائے قرآنی زکوٰۃ کا وہ بلند وبالا تصور پیش نظر ہوتا جس کے تحت رزق کے تمام سرچشمے پوری نوع انسانی کی منفعت بخشی کے لئے اسلامی مملکت کی تحویل میں رہتے ہیں تاکہ ہر ذی حیات ان سے ہر آن بطور متاع استفادہ کر سکے اور اس طرح اقبال کے الفاظ میں پورے انسانی معاشرے کی کیفیت یہ ہو جائے۔

کس درین جا سائل و محروم نیست
عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

یہ ہے وہ منزل مقصود کہ جس کو پا لینے کی خاطر علامہ زندگی بھر پکارتے رہے کہ

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

لیکن افسوس قرآن حکیم کی اس واضح تر تعلیم اور واضح تر رہنمائی پر ہم نے توجہ نہ دی اور اس کے برعکس اس نظریہ حیات کو ہی عام کرتے رہے کہ جس سے نظام سرمایہ داری سے آب یاری میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ چنانچہ مودودی صاحب مرحوم کا اس سلسلہ میں کہنا یہ تھا کہ

مودودی صاحب کے نزدیک ملکیت زمین کا تصور :- "جس طرح اسلام ہم سے یہ نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنا روپیہ اتنے مکان' اتنا تجارتی کاروبار اتنے مویشی اتنی موٹریں اتنی کشتیاں سے اتنی فلاں چیز اور اتنی فلاں چیز رکھ سکتے ہو۔ اسلام اس طرح یہ بھی نہیں کہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اتنے ایکڑ زمین کے مالک ہو سکتے ہو اسلام نے کسی نوع کی ملکیت پر بھی مقدار اور کھپت کے لحاظ سے کوئی حد نہیں لگائی۔ بجائز ذرائع سے جائز چیزوں کی ملکیت جبکہ اس سے تعلق رکھنے والے شرعی حقوق ا ور واجبات ادا کیے جاتے رہیں بلا حد و نہایت رکھی جا سکتی ہے۔" (ملکیت زمین از سید ابو الاعلیٰ مودودید صاحب مرحوم' صفحہ 72-52)۔

مودودی صاحب کے نزدیک زکوٰۃ کا تصور :- جائز اور معقول اخراجات سے جو دولت آدمی کے پاس بچے' اسے وہ

جمع بھی کر سکتا ہے اور مزید دولت پیدا کرنے میں بھی لگا سکتا ہے مگر ان دونوں حقوق پر پابندیاں ہیں۔ جمع کرنے کی صورت میں اسے نصاب سے زائد دولت پر ڈھائی فیصدی سالانہ زکوٰۃ دینی ہو گی۔ کاروبار میں لگانا چاہے تو صرف جائز کاروبار ہی میں لگا سکتا ہے۔ جائز کاروبار خواہ آدمی خود کرے یا کسی دوسرے کو اپنا سرمایہ روپے، زمین یا آلات و اسباب کی صورت میں دے کر نفع و نقصان کا شریک ہو جائے۔ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ ان حدود کے اندر کام کر کے اگر کوئی شخص کروڑ پتی بھی بن جائے تو اسلام کی نگاہ میں یہ کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے بلکہ خدا کا انعام ہے۔

(بحوالہ "اسلام کا نظام حیات"۔ از سید ابوالاعلیٰ مودودی)

مال جمع نہ کرنے پر صحابہ کی تشویش اور اس کا حل:- لیکن اگر کہا جائے کہ قرآن تو بلا حدود نہایت دولت جمع کرنے اور سونا چاندی اکٹھا کرنے کو شدید ترین عذاب کا موجب قرار دیتا ہے (9:34-35)۔ تو پھر دولت کے بل بوتے پر دولت کمانے سے انسان خدا کے عذاب سے کیونکر بچ سکتا ہے اور پھر اس کے علاوہ دولت کے بل بوتے پر دولت کا ماحصل کیونکر جائز قرار پا سکتا ہے تو اس کا جواب یہ بتایا جاتا ہے کہ زکوٰۃ کا حکم اس عذاب سے بچنے اور اپنے مال کو پاک کرنے کے لئے تو آیا ہے۔۔۔ اور اس کے بعد زکوٰۃ کے فرض قرار پانے کے سلسلہ میں یہ روایت بیان کر دی جاتی ہے کہ:

"حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جس وقت یہ آیت یعنی سونا چاندی کو جمع نہ کرنے والی آیات 9:34-35 نازل ہوئیں تو مسلمانوں پر اس کا خاص اثر ہوا۔ یعنی انہوں نے اس حکم کو گراں خیال کیا۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ میں تمہاری اس فکر کو دور کر دوں گا اور اس مشکل کو حل کر دوں گا۔ پس حضرت عمرؓ رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا نبیؐ اللہ یہ آیت آپؐ کے صحابہؓ پر گراں گذری ہے۔ آپؐ نے فرمایا خداوند تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے کہ وہ تمہارے باقی مال کو پاک کر دے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ کا یہ بیان سن کر عمرؓ نے جوش مسرت سے اللہ اکبر کہا۔" (بحوالہ ابوداؤد، مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ اردو ترجمہ۔ شائع کردہ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی، صفحہ 310-309)

یعنی خدا کا حکم ان صحابہؓ پر گراں گذرا جن کے متعلق خود خدا کی شہادت موجود ہے کہ:

"انہوں نے اپنا مال اور اپنی جان خدا کے ہاتھ فروخت کر دیئے تھے۔" (9:111)۔

علامہ اقبال نے سچ کہا تھا۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ امت روایات میں کھو گئی!

جناب رفیق احمد باجوہ صاحب نے کس قدر صحیح فرمایا تھا کہ:

"ہماری بغل میں قرآن ہے اور سروں پر عجمی لغت۔"

لہٰذا ہمارے لئے سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ قرآن حکیم کا معاشی نظام ہو یا سیاسی، تمدنی ہو یا عائلی یا معاشرتی نظام ان تمام شعبہ ہائے زندگی کے متعلق قرآنی اصطلاحات مثلاً زکوٰۃ، صدقات، صلوٰۃ، حج اور آدم وغیرہ کا مفہوم اور مدعا تصریف آیات کی روشنی میں اگر واضح طور پر ذہن نشین کر لیا جائے تو پھر قرآنی تعلیم قطعی طور پر یقینی شکل میں نکھر اور ابھر کر بڑے ہی خوبصورت طریق سے چشمے کے صاف و شفاف پانی کی طرح اور سورج کی کرنوں سے زیادہ روشن شکل میں ہمارے سامنے آجائے گی۔

زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم:- زکوٰۃ قرآن حکیم کے معاشی نظام کا ایک اہم ستون ہے جس کے معنی ہیں لوگوں کو سامان نشوونما مہیا کرنا۔ سورہ حج کی آیت 22:41 کے حوالے کے مطابق ارشاد خداوندی ہے کہ (یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں حکومت و مملکت عطا کریں تو اقامت صلوٰۃ کریں گے اور نوع انسانی کو سامان نشوونما پہنچائیں گے)۔

لہٰذا اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ہر فرد معاشرہ کی اس طرح نشوونما اور پرورش کرے کہ جس طرح ایک باغبان

...ن کونپل تک۔ کونپل کی پودے تک۔ پودے کی درخت اور پھر اس درخت کو لگنے والے پھل تک کی دیکھ بھال اپنے حسن عمل سے ہر آن متواتر کرتا ہے۔ نیز اس نظام میں ان افراد کی حفاظت اس طرح کرنی ہوتی ہے جس طرح مرغی اپنے بچوں کی۔

○#سو مملکت کے اس سارے عمل کو قرآن حکیم کے الفاظ میں ایتائے زکوٰۃ کہا گیا ہے۔ زیر مطالعہ اداریہ میں دیگر چند ایک حقائق کے علاوہ یہ بات بھی بڑے دکھ کے ساتھ کہی گئی ہے کہ:

"علماء اپنے اپنے وجوہ سے نفاذ اسلام کے مطالبہ پر تو متفق ہیں مگر اسلامی نظام حکومت الٰہیہ' نظام مصطفیٰؐ اور نفاذ شریعت کے کسی ایک تصور پر متفق نہیں حتیٰ کہ وہ جہاں باہم مل کر اسلام کے نکات کا مطالبہ کرتے ہیں اس میں نماز کا وقت آجائے تو سب مل کر ایک امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے اور نہ صرف اپنی بلکہ اسلام کی جگ ہنسائی کا موجب بننے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔"

ہمارے خیال میں ان حقائق کا بخوبی اندازہ آپ کو مندرجہ ذیل بیان کردہ تصریحات کے مطالعہ سے ہی ہو سکے گا کہ ہمارے ہاں۔ T.B کا یہ مرض کس حد تک خطرناک صورت اختیار کر چکا ہے۔

نظام مصطفیٰؐ اور کفر کے فتوے:- 1977ء میں نظام مصطفیٰؐ کے نام پر متحدہ محاذ کی طرف سے چلائی گئی تحریک سے پاکستان کا بچہ بچہ واقف ہے۔ اس اتحاد میں جماعت اسلامی' پاکستان مسلم لیگ' پاکستان جمہوری پارٹی' تحریک استقلال' نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی' جمعیت العلمائے اسلام' آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس اور خاکسار تحریک شامل تھیں۔ مولانا مفتی محمود اس تنظیم کے صدر' اور رفیق احمد باجوہ اس کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔ لیکن اگر اس تحریک کا بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو ان 9 ستاروں میں سوائے نظام مصطفیٰؐ کی اصطلاح کے کوئی چیز مشترک نظر نہیں آئے گی۔ کیونکہ یہ حضرات ذہنی طور پر باہم اس قدر متشدد واقع ہوئے تھے کہ مفتی محمود صاحب مرحوم نے مودودی صاحب مرحوم کے ایک بیان پر حیدر آباد پریس کلب میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مودودی صاحب کو فتویٰ دینے کا حق حاصل نہیں۔ فتویٰ دینے کا حق مجھے ہے۔ میں اب تک پندرہ ہزار فتوے دے چکا ہوں جو مجلد کتابوں میں موجود ہیں۔ میں آج اس پریس کانفرنس میں فتویٰ دیتا ہوں کہ مودودی گمراہ' کافر اور خارج از اسلام ہے۔ اس سے اور اس کی جماعت سے تعلق رکھنے والے کسی مولوی کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز اور حرام ہے۔ اس کی جماعت سے تعلق رکھنا کفر اور ضلالت ہے وہ امریکہ کا اور سرمایہ داروں کا ایجنٹ ہے۔ اب وہ موت کے آخری کنارے پر پہنچ چکا ہے اور اب اسے کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ اس کا جنازہ نکل کر رہے گا۔

(بحوالہ روزنامہ زندگی لاہور مورخہ 10 نومبر 1969ء)

فرقہ بندی اور افطاری:- اس کے علاوہ ایک اور قابل افسوس مثال یہ ہے کہ "15 اگست 1977ء کی شام متحدہ محاذ (قومی اتحاد) کے بڑے بڑے لیڈر جب افطاری کرنے لگے تو اسلامی اخوت اور نظام اسلام کے قیام کے دعویداروں کے درمیان ایک عجیب منظر دیکھنے میں آیا۔ یہ لیڈر جب افطاری کر چکے تو نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور لوگ وہاں یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ مفتی محمود صاحب اور نواب زادہ نصراللہ خان دس بارہ آدمیوں کو لے کر ایک طرف چل پڑے اور ان نمازیوں کی امامت مفتی صاحب نے کی جبکہ مولانا نورانی صاحب اور میاں طفیل محمد دوسری طرف کھڑے ہو گئے۔ یہاں شاہ احمد نورانی صاحب نے جماعت کرائی اور تحریک استقلال کے میاں محمود علی قصوری نے بھی نورانی صاحب کے ساتھ نماز پڑھی۔

(بحوالہ روزنامہ مساوات' 16 اگست 1977ء)

اور یہ سب کچھ چوہدری ظہور الٰہی صاحب مرحوم کی قیام گاہ واقع مین گلبرگ لاہور میں رونما ہوا۔

صدر مملکت کو غلط فہمی ہوئی ہے:- اس کے بعد ایک اور مثال جو مولانا نورانی صاحب کے حوالے سے ہفت روزہ

ایشیا کی 15 جنوری 1978ء کی اشاعت میں مل سکے گی۔ اور جو اوپر دی گئی مثالوں سے بھی زیادہ قابل افسوس اور تعجب انگیز ہے اور وہ یہ کہ:

"ابھی حال ہی کا ذکر ہے کہ میں شاہ احمد نورانی (ورلڈ اسلامک مشن کے چیئرمین) اور مولانا عبدالستار نیازی' مولانا غلام علی اوکاڑوی اور مولانا سید حسین الدین شاہ صاحب یہ ابھی تین چار روز پہلے 13 اکتوبر 1977ء جمعرات کا ذکر ہے کہ ہم سب جنرل ضیاء الحق سے ملاقات کے لئے گئے تاکہ دارالعلوم اور ایک مسجد کا سنگ بنیاد ان سے رکھوایا جائے تو جب ان سے باتیں ہو رہی تھیں انہوں نے یہ فرمایا۔ میں نے سنا ہے کہ آپ بڑے وسیع القلب ہیں' آپ میں بڑی رواداری ہے' آپ میں بڑی فراخدلی ہے اور پھر فرمانے لگے کہ اسی فراخدلی کا نتیجہ ہے کہ جب آپ سہالہ میں تھے (مارشل لاء کے لگنے کے فوراً بعد) قید کے ان لمحات میں رواداری اور وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک صاحب کے پیچھے نماز پڑھی۔ مجھے یہ رپورٹ ملی ہے۔ میں سنتا رہا۔ جب ان کی بات ختم ہو گئی تو میں نے جواباً عرض کیا۔ جنرل صاحب بڑا افسوس ہے آپ کو غلط اطلاعات دی گئی ہیں۔ ہم میں الحمد للہ بڑی وسعت قلبی ہے لیکن گستاخ رسول کے لئے کوئی وسعت نہیں۔ ہم میں رواداری ہے لیکن حضور پر نور کی شان میں تنقیص کرنے والے کے لئے کوئی رواداری نہیں۔ اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت مولانا احمد رضا خاں کا لکھا مجموعہ فتاویٰ حسام الحرمین کے نام سے مشہور ہے جس میں علماء حرمین شریفین کے فتوے موجود ہیں اور مسلک اعلیٰ حضرت کی تصدیق ہے۔ ہم الحمد للہ اس فتوے پر عمل کرتے ہیں۔ کوئی بھی شخص خواہ ڈیرہ اسماعیل خاں (اس سے مراد مفتی محمود صاحب ہیں) کا ہو' ملتان کا ہو' اچھرہ (اس سے مراد مودودی صاحب ہیں) کا ہو' کسی شاتم رسولؐ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔۔ اور میں نے کہا جناب والا یہ چار ٹکے کے لوگ ہیں ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ کو یہ غلط اطلاع ملی ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔ ہمارے میں ایسی رواداری' فراخدلی اور وسعت قلبی نہیں ہے۔ ہمارے قلب میں شاتم رسول کے لئے کوئی وسعت نہ آج ہے نہ آئندہ ہو گی اور اس کے لئے لوگ بہت سی باتیں کرتے ہوں گے۔ قومی اسمبلی میں ہی اذان ہوتی تھی۔ علامہ ازہری موجود ہیں۔ ان لوگوں کا رخ ایک طرف ہوتا تھا اور ہمارا رخ ان سے دوسری طرف اس کے دیکھنے والے ایک نہیں' دو نہیں بے شمار لوگ ہیں" ایک طرف تو یہ مولانا نورانی اس قومی اتحاد میں شامل ہیں اور دوسری طرف مفتی محمود کے متعلق ان کا فتویٰ یہ تھا کہ قومی اتحاد کے سربراہ (مولانا مفتی محمود نے ابھی تک پاکستان کو تسلیم نہیں کیا اور وہ ہرگز نہیں چاہتے کہ یہ مملکت مستحکم ہو۔ مفتی صاحب نے تحریک نظام مصطفیؐ کو بھی بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ (بحوالہ پاکستان ٹائمز 21 جولائی 1978ء)

سو اس فرقہ بندی کے خود ساختہ مسلک کے متعلق ت... سے زیادہ اور کیا کہا جائے گا کہ ۔

ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا

لہٰذا ان تصریحات کی روشنی میں انسان یہ سوچ... جاتا ہے کہ اس قسم کے حضرات جو ایک دوسرے... شاتم رسول اور گستاخ رسول ہوں تو ان کے ہاتھ... نظام مصطفیؐ نافذ ہو گا اور اس کی شکل و صورت کیا... کہ خدائے علیم نے نظام خداوندی نافذ کرنے والوں... بتائی تھی کہ : ۔

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے

کس قدر خوبصورت ہے یہ قول کہ "فساد کا ... نفرت سے پیدا ہوتا ہے" جبکہ پارٹی بازی اور فرقہ ... ہی نفرت پر ہوتی ہے۔

امام کسے بناؤ:- قائداعظم کی دور رس نگاہ اس ... واریت کی نمازوں کے خطرناک نتائج سے کس قدر و... اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ 1938ء میں ایک تبلیغ... جس میں مقتدر حضرات شامل تھے' قائداعظم سے

کی۔ان حضرات نے دوران گفتگو قائداعظم سے کہا کہ آپ مسلم لیگ کے جلسوں کے لئے اس قدر وسیع و عریض پنڈال کھڑے کرتے ہیں۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ جمع کرتے ہیں اس سے آپ کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ قائداعظم نے فرمایا:

"علاوہ دیگر امور کے اس سے غیر مسلموں کے دل پر ملت اسلامیہ کے اتحاد اور ہیئت اجتماعیہ کا بڑا گہرا اثر ہوتا ہے۔"

اس پر علماء حضرات نے قائداعظم سے کہا کہ اس کے لئے ہم آپ کو اس سے زیادہ موثر طریق بتاتے ہیں کہ آپ نماز کے وقت اس پنڈال میں باجماعت نماز ادا کرنے کا اہتمام کیا کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ

"نماز کی اہمیت سے مجھے انکار نہیں لیکن آپ کی تجویز میں مجھے ایک خطرہ نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ نماز باجماعت میں ایک امام کا ہونا ضروری ہے۔ اگر میں خود امامت کے لئے کھڑا ہو جاؤں تو شاید یہ تمام حاضرین میرے پیچھے نماز پڑھ لیں۔ لیکن میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا اس کے بعد سوال یہ پیدا ہو گا کہ امام کسے بنایا جائے۔ اگر امام دیوبندی ہو گا تو بریلوی حضرات اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیں گے اور یہی صورت بریلوی کی بجائے دوسرے امام کے پیچھے پڑھنے میں پیدا ہو گی۔ لہٰذا اس صورت حال میں یہ ہو گا کہ ایک پنڈال میں مختلف جماعتیں کھڑی ہو جائیں گی۔ اس سے غیر مسلموں کے سامنے امت مسلمہ کے اختلاف نمایاں ہو جائیں گے اور وہ کہیں گے کہ جو قوم ایک امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتی وہ ایک متفقہ علیہ اسلامی ریاست کیسے قائم کرے گی اس وقت تو آپ مجھے معاف فرمائیں۔ آئندہ دیکھا جائے گا۔" (بحوالہ "تعمیر پاکستان اور علماء"

جنگ فورم میں اجتماعی نماز سے انکار:- قائداعظم نے تو اس قدر انتشار و خلفشار کے باوجود پاکستان قائم کر دیا لیکن قرآن حکیم کی موجودگی کے باوجود ہمارے قلب و نظر میں یک رنگی اور یک نگہی آج تک پیدا نہیں ہوئی۔ چنانچہ 1985ء میں پوری دنیا کے سامنے نگاہوں کو جھکا دینے والا منظر اس وقت پیش آیا جب روزنامہ جنگ لاہور کے پلیٹ فارم پر جنگ فورم کے تحت "اتحاد ملت کیسے قائم ہو سکتا ہے" کے موضوع پر اظہار خیال کرنے کے لئے مختلف علماء کرام تشریف لائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں مورخہ 24 نومبر 1985ء کو مذکورہ اخبار کے سرورق پر جو خبر شائع ہوئی وہ یہ تھی کہ:

"جنگ فورم میں اتحاد امت مسلمہ کے موضوع پر طویل اور فکر انگیز تقریروں کے بعد مختلف مکاتب فکر کے علماء نے اکٹھے نماز پڑھنے سے انکار کر دیا۔"

روزنامہ جنگ کے مطابق جنگ فورم میں مختلف مکاتب فکر کے علماء جن میں علامہ محمود احمد رضوی، علامہ احسان الٰہی ظہیر، مولانا گلزار احمد مظاہری، مولانا موسیٰ بیگ (جامعہ المنتظر، مفتی محمد صدیق ہزاروی اور مولانا اختر کاشمیری شامل تھے۔ اتحاد امت کے موضوع پر اس فورم کے دوران نماز عشاء کے وقت انہیں اکٹھے نماز کے لئے کہا گیا تو علامہ احسان الٰہی ظہیر اور علامہ محمود احمد رضوی نے کہا یہ ممکن نہیں۔ مولانا موسیٰ بیگ نے کہا کہ وہ باقی علماء کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے تیار ہیں لیکن وہ مغربین پڑھ چکے ہیں۔ مولانا صدیق ہزاروی بھی ان علماء کے ساتھ فورم ہال سے چلے گئے اور کہا کہ وہ اپنے گھر جا کر نماز ادا کریں گے۔ جبکہ مولانا گلزار احمد مظاہری اور مولانا اختر کاشمیری ایک دوسرے کی امامت میں نماز ادا کرنے پر رضا مند ہو گئے لیکن بعد میں انہوں نے اپنے اپنے گھر جا کر نماز ادا کی۔ اس موقع پر مختلف علماء نے کچھ آراء اور تجاویز بھی پیش کیں۔ چنانچہ علامہ محمود احمد رضوی نے فرمایا کہ "فقہ اور مسلک کا اختلاف ختم کرنا ممکن نہیں۔" علامہ احسان الٰہی ظہیر نے فرمایا "متند علماء کا بورڈ قائم کیا جائے۔ "مولانا موسیٰ بیگ نے کہا کہ "ضروریات پر اتفاق رائے ہو سکتا ہے۔" گلزار مظاہری نے ارشاد فرمایا کہ "بورڈ کی تجویز قابل عمل نہیں، اختلافات صدیوں پرانے ہیں۔" لیکن اس کے باوجود مولانا اختر کاشمیری نے کہا میرے نزدیک اتحاد امت کا سوال ہی غلط ہے یہ سوال نہیں الزام ہے۔ امت میں ہمیشہ اتحاد تھا، اتحاد ہے اور

رہے گا۔ اگر یہ سوال کسی درجے میں موجود ہے تو مسلم ریاستوں کے سربراہوں سے کیا جانا چاہئے۔ اس اختلاف کے ذمہ دار علماء نہیں۔"

اس موقع پر علامہ احسان الٰہی ظہیر نے مولانا مظاہری سے بعض سوالات کئے۔ جن کی تفصیل یہ ہے۔

-- علامہ احسان الٰہی ظہیر: آپ چاہتے ہیں یہ سارے اختلافات ہوتے ہوئے بھی متحد ہونا چاہئے۔ کیا یہ اتحاد دائمی ہو گا؟

-- مولانا گلزار مظاہری: مقاصد متعین ہوں گے جدوجہد مشترک ہو گی تو کامیابیاں ہوں گی۔ ابھی آپ اسلام کے آنے تک عارضی اتحاد کر لیں۔

-- علامہ احسان الٰہی ظہیر: کون سے اسلام کی آپ بات کر رہے ہیں؟

-- مولانا مظاہری: کتاب و سنت والا اسلام۔

-- علامہ احسان الٰہی: تمام طبقوں کی تعبیر مختلف ہے۔ قانون دانوں اور صحافیوں کے لئے ضابطے ہو سکتے ہیں۔ ان کا معیار مقرر ہو سکتا ہے تو علماء کے لئے کیوں نہیں۔ کیا یہ معیار نہیں ہو سکتا کہ کون عالم ہے اور کون نہیں؟

1952ء میں 31 علماء نے اکٹھے ہو کر جو 22 نکات (یہ وہی 22 نکات ہیں کہ جن کی بنیادوں میں فرقہ بندی کا زہر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے) تشکیل دیئے تھے اس طرح کی بات اب بھی ہو سکتی ہے"۔

علامہ احسان الٰہی ظہیر کے مندرجہ بالا سوال کہ "کون سا اسلام؟" پر روزنامہ جنگ لاہور میں جناب عبدالقادر حسن صاحب کا ایک کالم نظر سے گذرا آپ بھی ملاحظہ فرمائیں شاید ہمیں بھی اپنی متضاد خیالی کی کوئی فکر دامن گیر ہو۔ اس کالم کا عنوان تھا کہ ہم دوغلے ہیں۔

ایک سبق آموز مثال:- "دو چار روز پہلے اخباروں میں ایک سانپ کی تصویر چھپی ہے جس کے دو منہ ہیں۔ اس دو منہ والے سانپ کے بارے میں بتایا گیا کہ اس طرح کے سانپ نہایت کم تعداد میں پائے جاتے ہیں اور ان کی عمر بہت مختصر ہوتی ہے۔ یہ جلد ہی مرجاتے ہیں۔ مختصر عمر کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اس کے دو منہ اور دو دماغ ہوتے ہیں۔ ایک مونہہ ایک فیصلہ کرتا ہے تو دوسرا کوئی دوسرا فیصلہ کرتا ہے۔ چنانچہ اس کشمکش میں اسے بعض اوقات حادثات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ جلد ہی مرجاتا ہے۔ اس سانپ کو اگر دو دماغ لے ڈوبتے ہیں تو جس انسان کے دو دماغ ہوا کرتے ہیں اس کا بھی یہی انجام ہوتا ہے۔ اور دو رخی اور دوغلا پن جسے منافقت بھی کہا جاتا ہے۔"

مندرجہ بالا سبق آموز مثال کے بعد آپ جناب کوثر نیازی صاحب مرحوم کے اس خط کا مطالعہ کریں جو بغیر کسی تبصرہ کے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ متذکرہ خط مولانا کوثر نیازی صاحب نے (جو 17 سال تک جماعت اسلامی سے منسلک رہے) جماعت سے مستعفی ہونے سے قبل مولانا مودودی صاحب کو تحریر کیا تھا۔

اس خط کے مطالعہ سے یہ بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ مذہبی طور پر میر کارواں کی متضاد خیالی قوموں کو کس قدر اندھیری غار میں دھکیل دیتی ہے۔ اور پھر ان کی قیادت کے پیدا کردہ اثرات کو مٹانے کے لئے دوسروں کو کن کن مراحل اور کن کن مشکلات سے گذرنا پڑتا ہے۔ اس خط کے شروع میں مولانا کوثر نیازی صاحب نے کچھ اپنے متعلق بھی تحریر کیا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

کوثر نیازی صاحب کا خود اپنے بارے میں اظہار خیال:- میں آپ کے سامنے انتہائی ندامت کے ساتھ خود اپنے بارے میں بھی یہ اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ اپنے حقیر سے علم اور مطالعہ کی بنا پر میری رائے یہی تھی کہ موجودہ سیاسی اور جمہوری روایات کی بات تو دوسری ہے لیکن شرعاً عورت کسی بھی صورت میں صدر مملکت نہیں بنائی جا سکتی اور اس کا میں کوئی تصور اپنے ذہن میں نہیں رکھتا تھا کہ کبھی ہم بھی اسلام کے نام پر ایک خاتون کی حمایت میں ایسی تحریک چلا سکتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی مسجد میں سوالات کا جواب دیتے

ہوئے سینکڑوں افراد کے سامنے قرآن و حدیث کے دلائل سے اپنے اس عقیدے کی وضاحت کی اور بعد میں بعض اخباری نمائندوں کی خواہش پر اس خطبہ کا خلاصہ اخبارات کو بھی بھجوا دیا مگر اسی دوران مجھ پر یہ انکشاف ہوا کہ جماعت اس سے الگ نقطہ نظر پر سوچ رہی ہے اور امکان غالب اس کا ہے کہ مس فاطمہ جناح کی حمایت کا فیصلہ کیا جائے گا۔ میں اس انکشاف پر سراسیمگی کا شکار ہو کر رہ گیا اور جماعت کے فیصلے کے انتظار میں اس بیان کو واپس لے لیا۔

مجھے بعد میں یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ نے جیل سے مرکز جماعت کو یہ ہدایت بھجوائی ہے کہ اس مسئلہ پر ہرگز متحدہ حزب اختلاف کا ساتھ نہ دیا جائے۔ آپ کی گذشتہ تحریروں کی روشنی میں امید بھی اس بات کی تھی' لیکن جب مجلس مشاورت میں جیل سے آئی ہوئی آپ کی وہ تحریر پڑھ کر سنائی گئی (جسے بعد ازاں لفظ بلفظ مجلس مشاورات کی قرارداد کی صورت میں اخبارات کو ارسال کر دیا گیا) تو میرے حسن ظن کو انتہائی ٹھیس پہنچی۔ شاید آپ کو معلوم نہ ہو میں یہاں بھی وضاحت کر دوں کہ مجلس مشاورت کے جس اجلاس میں محترمہ کی حمایت کا فیصلہ کرتے ہوئے اس قرارداد کو منظور کیا گیا میں اس میں اپنی غلط فہمی (یا وقت کے بارے میں غلط اطلاع) کی وجہ سے شریک نہ ہو سکا' جب میں پہنچا تو یہ قرارداد اخبارات کو بھجوائی جا چکی تھی۔ کاش! میں اس وقت موجود ہوتا اور اس غلط نظریہ پر اہل مجلس کو متنبہ کر کے کم سے کم قرارداد کے الفاظ تو تبدیل کرا دیتا۔ ظاہر ہے اس کے بعد تیر از کمان رفت والا معاملہ تھا۔

ایک چہرے پر کئی چہرے:- اب جماعتی دستور کی رو سے میں اس فیصلہ کی تائید پر مجبور تھا اور جس رائے کو میں دلائل کی بناء پر بلکہ غلط سمجھتا تھا اب صرف اس لئے کہ وہ بطور قرارداد منظور ہو چکی ہے۔ جماعت اور مجلس مشاورت کا رکن ہونے کی وجہ سے میں تحریر و تقریر کے ذریعے اس کی تائید و توثیق کرنے لگا۔

مولانا' میں بہت گنہگار ہوں مگر میری پوری زندگی کے گناہ ایک طرف اور یہ اکیلا گناہ دوسری طرف کہ میں نے جس بات کو شرعاً درست نہیں سمجھا تھا۔ صرف جماعتی قواعد و ضوابط کی وجہ سے اس معصیت پر مجبور ہو گیا کہ اب اس کی نمائندگی کروں۔ اللہ میرے اس جرم کو معاف فرمائے۔ ورنہ ڈرتا ہوں کہ کہیں اس جرم کی وجہ سے میرا دل رہے سہے ایمان ہی سے محروم نہ ہو جائے۔

نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا

مولانا! میری رائے یہ ہے کہ اب ہماری یہ محبوب جماعت اسلامی ایک عجیب و غریب صورت حال سے دوچار ہے۔

1- اس جماعت کی ابتداء کے وقت نظام حکومت کی اصلاح کا جو تصور آپ نے پیش کیا تھا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ افراد میں ایمان و اسلام اور احسان کا صحیح شعور پیدا کر کے انہیں انفرادی زندگی میں متقی بنایا جائے اور ان افراد کے ذاتی عمل اور شہادت حق کے ذریعے معاشرے کی اصلاح کی جائے۔ اس طریقے سے نظام حکومت کی اصلاح یوں ہو گی جیسے سنگترے کے بیج سے سنگترے کا درخت اور پھر اس درخت سے سنگترے کا پھل پیدا ہوتا ہے' اس طبعی عمل کے طور پر اسلامی حکومت اسی اصلاح یافتہ معاشرے سے ظہور پذیر ہو گی۔ یہ تصور اگر جماعت کی نگاہوں سے اوجھل ہوتا تو کسی اہم مرحلے پر اسے اجاگر کرنے کے بعد پھر سے زیر عمل لایا جا سکتا ہے لیکن دوسرے بہت سے اصحاب قلم کے علاوہ خود آپ نے پچھلے آٹھ دس برس میں جماعت کو جو فکری غذا دی ہے اور جس طرح پہلے' دوسرے اور تیسرے مرحلے کا تصور دے کر جماعت کے کارکنوں کو یہ باور کرایا ہے کہ جماعت جو بھی پالیسی اختیار کر رہی ہے' وہ اسی تصور اقامت دین ہی کا نتیجہ ہے جو آپ نے شروع میں پیش فرمایا تھا' اس کے بعد جماعت کے کارکنوں کو پھر سے اصلاح ذات اور اصلاح معاشرہ کے کاموں پر لگا دینے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا۔ مزید برآں ہم نے پچھلے چند سالوں میں بالعموم اور صدارتی انتخاب میں بالخصوص جس قسم کی اپوزیشن کا کردار ادا کیا ہے۔

ارباب اقتدار کو اپنا حریف بنایا اور خود جس طرح ان کے حریف بنے ہیں۔ اس کے بعد داعی دین کی حیثیت سے ہمارے لئے ملک میں کام کرنے کی کوئی صورت موجود نہیں۔

ہماری دینی اور اصلاحی دعوت پر کوئی اعتماد نہیں کر سکتا:- اس پہلو سے میری مایوسی اس وجہ سے اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہے۔ کیونکہ ہم نے 49ء کی انتخابی پالیسی سے لے کر عورت کے مسئلہ صدارت تک ہر متضاد بات کے لئے جس طرح نصوص قرآن و حدیث کو پیش کیا ہے اس کے بعد اس ملک میں کوئی ذی فہم آدمی ہماری پیش کردہ دینی اور اصلاحی دعوت پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔

متضاد عمل کے چند پہلو:- تضادات کا شکار ہوئے جانے کے سارے ادوار آپ سے بڑھ کر کس پر روشن ہوں گے۔ پہلے ہم نے امیدواری کو حرام قرار دیا۔ اس کے لئے صحابہ تک کسی جلیل القدر شخصیت میں امیدواری کا کوئی پہلو ہمارے سامنے پیش کیا گیا تو ہم نے اپنی اجتہادی رائے کو نص کا درجہ دے کر اس پر تنقید کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا مگر اب ہم اپوزیشن سے مل کر امیدواروں سے خود درخواستیں طلب کر رہے ہیں۔ ہم نے کہا کہ صالح نمائندہ پنچائتی سسٹم سے آئے جس جماعت یا گروہ سے بھی تعلق رکھتا ہو' پھر ہم نے صالح نمائندوں کو جماعت کے دائرے میں مخصوص کر دیا۔ پہلے ہم پارٹی ٹکٹ کو لعنت کہتے تھے' اب محاذ کے ساتھ شریک ہو کر "غیر صالحین" کو بھی ٹکٹ بانٹ رہے ہیں۔ ہم نوٹ پر قائداعظم کی تصویر چھاپنے پر سخت برہم تھے' صدارتی انتخاب میں ہمارے کارکنوں نے ان کی بہن کے تصویری ووچر گلی گلی فروخت کئے۔ پہلے ہم نے صدارتی سے بھی بڑھ کر امارتی تصور خلافت پیش کیا تھا۔ اب ہم پارلیمانی نظام جمہوریت کو اسلامی قرار دیتے ہیں۔ پہلے ہم اسمبلیوں میں اراکین کی الگ پارٹیاں بنانے کو غیر اسلامی قرار دیتے تھے بعد میں ہم نے خود اس پر عمل کیا۔ پہلے ہم مخلوط جلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ اب مخلوط جلسوں کی صدارت کرتے اور ان میں تقریریں کرتے ہیں۔ پہلے ہم علماء کے اتحاد کی کوشش کرتے اور موجودہ پارٹیوں کو ساتھ ملانا غلط سمجھتے تھے۔ اب علماء کے اتحاد سے بے نیاز اور سیاسی پارٹیوں کے محاذ کو مضبوط کرنا تقاضائے اسلام سمجھتے ہیں۔ پہلے ہم خواتین کو ووٹ کا حق دینے میں راضی نہ تھے۔ اب ان کی صدارت تک کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ پہلے ہم اپوا کے زبردست ناقد تھے اب انہی کا ایک حصہ متحدہ حزب اختلاف کی خواتین کمیٹی کی صورت میں منظم ہوا ہے تو ہمارے اکابرین کی بیگمات ان کے جلسوں سے خطاب فرماتی ہیں۔ پہلے ہم طلباء کو عملی سیاست میں حصہ لینے سے روکتے تھے اب ان سے عملی سیاست میں شریک ہونے کی اپیلیں کرتے ہیں۔ پہلے ہم جلسوں اور نعروں کو غیر اسلامی کہتے تھے اب غلاف کعبہ تک کے جلوس نکالتے اور اپنے رہنماؤں کے لئے زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔ پہلے ہم ان انسانی (غیر اسلامی) قوانین پر چلنے والی عدالتوں میں مقدمات لے جانا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے اب انہی عدالتوں کو ہم عدل و انصاف کا محافظ قرار دیتے ہیں۔ پہلے ہم وکیلوں کو شیطانی برادری کا رکن سمجھتے تھے اب انہی کو جمہوریت کا سرپرست کہتے ہیں۔ میں یہ عرض نہیں کرنا چاہتا کہ ہماری ان باتوں سے کون سی بات صحیح تھی اور کون سی غلط' یہ تو مشتے نمونہ از خروارے ہے اور یقین مانئے انتہائی دکھ کے ساتھ میں نے جماعتی تاریخ کی طرف یہ اشارے کئے ہیں۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اتنے واضح تضادات کو وقت کی گردش کے ساتھ ساتھ ہم اسلامی اور دینی سمجھ کر چھوڑتے اور اختیار کرتے رہے ہیں تو اب ترک و اختیار کے ان مظاہروں کے بعد اپنے ارکان کے سوا' کون ہمارے دینی فکر پر بھروسہ کرے گا"۔

یہ تھیں ہماری وہ گذارشات اس لکھے گئے اداریہ کے متعلق جو روزنامہ جنگ لاہور کی طرف سے 29 مارچ 2000ء کو تحریر کیا گیا تھا۔

ہمارا خیال ہے کہ ہمارے لئے آخر کار اپنی دیرینہ بیماری کے علاج کی خاطر ملت اسلامیہ کے محسن اور مرد قلندر کی بارگاہ

میں حاضری دینا ضروری ہے جسے دنیائے عالم حکیم الامت نور مشرق پاکستان علامہ اقبالؒ کے نام سے یاد کرتی ہے اور وہ اس لئے کہ اگر ہم نے آج بھی اس دیدہ ور کی جہاں بینی اور دور نگہی کی حقیقت کشائی کو قبول کر لیا تو ہمارا یہ ایمان ہے کہ ملت اسلامیہ ایک بار پھر قوموں کی امامت کرنے کے قابل ہو جائے گی۔ سو اس سلسلہ میں فرمودہ اقبال یہ ہے کہ

"ہمارے لئے کشاد کی راہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ آئینہ اسلام پر غیر اسلامی زنگ کی جو سخت اور درشت تہیں جم گئی ہیں اور جس کی وجہ سے اس کا حرکیاتی اور ارتقائی نظریہ یکسر جامد ہو کر رہ گیا ہے اسے کھرچ کھرچ کر الگ کر دیا جائے اور حریت' سالمیت اور مساوات کی حقیقی اقدار کو از سر نو زندہ کر کے ان کی بنیادوں پر اپنے اخلاقی' عمرانی اور سیاسی نظام کی تشکیل جدید کی جائے جو حقیقی اسلام کی سادگی اور آفاقیت کا آئینہ دار ہو۔"

ان کلیوں کو بکھرنے نہ دیجئے:- میری اہل دانش سے التماس ہے کہ اگر سب کے سب نہیں تو ایک ایک دو دو کر کے ہی مل بیٹھیں اور یہ سوچیں کہ ملت اسلامیہ کی نئی نسل جسے اس صحن کائنات کی فضا میں باد نسیم کی مانند ایک سدا بہار پھول کی خوشبو بن کر پھیلنا ہے۔ کہیں یہ کلیاں حسب سابق ہماری کوتاہی کے ہاتھوں ہی پژمردہ ہو کر ملت اسلامیہ کے اس اجڑے ہوئے گلستان میں بکھر کر نہ رہ جائیں۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے کہ "قرآنی تعلیم ہی وہ روشنی ہے جسے مومن دنیا میں لے کر چلتا ہے" اور اسی کے سہارے یہ امت مسلمہ خود بھی ہر قسم کی مستبد قوتوں سے محفوظ رہتی ہے اور دوسری مظلوم اور محکوم قوموں کو بھی اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ حرکت و عمل کے سمندر میں تیزی سے تیرنے کے قابل بن جائیں تاکہ ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ بھی حائل نہ ہو۔ حتیٰ کہ شکم پروری کی خاطر قدم قدم پر مادیت کی سنگلاخ چٹانیں اور عمیق و تاریک غاریں کسی بھی انسان کے راستے میں حائل نہ ہو سکیں۔ افسوس ۔

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتہ سلطانی و ملائی و پیری

(بحوالہ کتاب مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی از محمد اشرف ظفر' صفحہ 362)

ایک استدعا

ایسے رفقاء و احباب گرامی' جنہوں نے علامہ غلام احمد پرویز کو دیکھا اور سنا ہو' ان سے ملاقات کی ہو' پرویز صاحب کا کوئی خط یا تحریر ان کے پاس ہو یا ان کے حافظے میں پرویز صاحب کی کوئی گفتگو محفوظ ہو' ان سے بصد ادب استدعا ہے کہ وہ براہ کرم اپنی یادداشتیں اور خطوط کی نقول یا اصل ہمیں ارسال فرما دیں۔ اس طرح ایک عظیم تاریخی و علمی اہمیت کا حامل ورثہ دست برد زمانہ کی نذر ہونے سے بچ جائے گا اور آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ ہو جائے گا۔

منیجر طلوع اسلام ٹرسٹ
25 بی گلبرگ 2' لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منظور احمد خان (اوسلو، ناروے)

تکلف بر طرف!

تنذیر !(WARNING!)

معاشرتی امن و آسودگی کا لازمی نتیجہ ہے معاشی خوشحالی' جب تک ملک و وطن میں امن و استحکام قائم نہیں ہو گا تب تک کسی بھی مادی ترقی یا انسانوں کے درمیان اخلاقی ارتقاء کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کا بھی یہی دعویٰ ہے اور ہمارا عام مشاہدہ بھی ہمیں اسی نتیجے پر پہنچاتا ہے۔ یہ اصول و قانون اس قدر اٹل اور غیر متبدل ہے کہ زمان و مکان کے کسی بھی حالات و واقعات سے متاثر نہیں ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں یہ اصول ایک مستقل قدر ہے جو ہر جگہ اور ہمہ وقت کارفرما ہے اور نتیجہ خیز بھی۔ اپنا ملک ہو یا دیار غیر' اپنا روائتی معاشرہ ہو یا کوئی اجنبی سوسائٹی' کوئی بین الاقوامی تنظیم ہو یا علاقائی تحریک' بڑی فیکٹری ہو یا کوئی دفتر' برادری ہو یا اپنا چھوٹا سا گھر۔۔۔ یہی قانون غالب اور محیط نظر آئے گا۔۔۔ محض بصارت والوں کو بھلے نظر نہ آئے' بصیرت والے خوب جانتے ہیں۔

اوپر شروع میں کہا گیا ہے کہ امن و اطمینان کے بعد معاشی یا مادی ترقی لازمی ہے اور پھر اس کے نتیجے میں۔۔۔ انسانوں کے مابین اخلاقی ارتقاء یا جوہر انسانیت کی نشوونما بھی۔۔ کیا یہ بات بھی اتنی ہی درست یا اٹل ہے جتنی یہ کہ ترقی بنا امن' ناممکنات میں سے ہے؟؟؟ نہیں!!! دعوے کا یہ دوسرا حصہ صحیح نہیں کہ قرآن مجید کے علاوہ ہمارا تجربہ' مشاہدہ بھی اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ مثلاً ضروری نہیں کہ آج کی دنیا کا طاقت ور ترین اور خوشحال شخص (صدر امریکہ) اپنی مادی طاقت کی نسبت اخلاقی یا نفسیاتی طور پر بھی اتنا ہی ارتقاء یافتہ ہو۔۔

دوسری مثال خود ہماری یا ہمارے قرب و جوار میں صاف طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ اپنے ملک ہی کے سرمایہ دار ہوں یا جاگیردار' یا دیار غیر میں برسوں سے آ بسنے والے ہم لوگ۔۔۔ ہم پیسے والے لوگ۔۔۔ امن و سکون کے حوالے سے بہت مطمئن اور پھر مادی لحاظ سے بھی یقیناً انتہائی آسودہ۔۔۔ کیا نفسیاتی یا اخلاقی لحاظ سے بھی اتنے ہی قوی یا ارتقاء یافتہ ہیں؟؟؟ بڑی آسانی کے ساتھ دیکھا اور کہا جا سکتا ہے کہ ہمیں' اجتماعی ہو یا انفرادی طور پر و جس قدر مادی عروج نصیب ہوا اس قدر اخلاقی تنزل کا شکار بھی ہوئے ہم' کوئی انکار کر سکتا ہے اس حقیقت سے؟؟ کیا روزمرہ کا کرب انگیز مشاہدہ ثبوت نہیں اس صورت حال کا؟؟؟

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اس کی وجہ کیا ہے اور اس کا حل کیا؟

قرآن کریم میں آپ نے دیکھا ہو گا کہ

"یہ صحرا نشین بدو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اس لئے ہم مومنین کے زمرے میں شمار ہونگے' ان سے کہو کہ تم ابھی مومن نہیں محض مسلم ہو کہ ایمان ابھی تمہارے دل کی گہرائیوں میں نہیں اترا" (49:14)۔ ایک بار پھر غور کیجئے گا اس اعلانئے پر۔۔ اور کسی آئن شائن کے دماغ کی ضرورت کے بغیر ہی آپ فوراً" اس نتیجے پر پہنچ جائیں گے کہ مادی ترقی اور اخلاقی برومندی' گو بہت قریب ہیں ایک دوسرے کے' لیکن۔۔ اس کے باوجود یہ دو علیحدہ دائرے ہیں' دو مختلف میدان ہیں جو اپنی وسعت و کشاد یا ظلمت و فساد کے لئے اپنے اپنے اصول و

قوانین کے محتاج ہیں۔ جہاں ان قوانین سے ہم آہنگی انسان کو غلبہ و عزت سے ہمکنار کرنے کو بے بس ہے، وہیں ان اقدار سے اعراض و اغماض، آدم کو ذلت و شکست سے دوچار کرنے پر مجبور بھی، بالکل اسی طرح جیسے وقت، (Time) کا اعلان کہ "اگر میری قدر کرو گے تو تمہیں بھی یقیناً قادر رکھوں گا، اور اگر میری بے قدری کی تو یاد رکھو تمہیں بھی بے عزت و بے آسرا کرنے پر مجبور ہو جاؤں گا۔۔۔" یہی وہ قانون خداوندی ہے جس کا اظہار و تکرار قرآن پاک میں بھرا پڑا ہے۔ بات واضح ہو گئی کہ جس طرح معاشرتی ترقی کے لئے امن اور امن سے متعلق قوانین و ضوابط کی پابندی لازمی ہے، بالکل اسی طرح اخلاقی یا نفسیاتی نشوونما کے لئے بھی انہی سے متعلق اقدار کی پابندی ضروری اور لاینفک! یہ دونوں طرح کے قوانین قرآن کریم میں موجود ہیں۔

مذکورہ بالا قرآنی حوالے نے پوری وضاحت کے ساتھ بتا دیا کہ محض قوانین کی موجودگی یا ان کا فہم و ادراک ہی کافی نہیں۔۔ ان اصول و ضوابط کو دل میں بھی اتارنا ہوتا ہے۔۔ قلب پر نازل کرنا پڑتا ہے۔ لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا۔۔ یہ بڑا ہی روح فرسا اور صبر آزما مرحلہ ہے۔ بس یہی وہ موڑ ہے جہاں آکر ہم آگے بڑھنے کی بجائے مڑ جاتے ہیں، اغراض و مفادات کے پیش نظر، حیل و حجت کا برقعہ اوڑھے منہ موڑ لیتے ہیں۔۔۔ کس جانب؟ دراصل شکست و زوال کی جانب، ذلت و انحطاط کی جانب۔۔۔ اور یہی وہ عوامل ہیں بلس یا شیطنت جن کے مکافات ہیں، بزدلی یا منافقت جن کے نتائج ہیں۔۔۔ الحذر!!

ہم جب اپنے اردگرد، ماضی بعید کی جانب یا ماضی قریب میں جھانکتے ہیں تو اس قسم کی بے شمار اور عبرتناک داستانیں بکھری پڑی ملتی ہیں۔ کس کس کا ذکر کیا جائے، ابھی کل کی بات ہے کہ پاکستان میں فرعونیت اور زرداریت کے نشے میں غرق حکمران اور ان کے حواری۔۔۔ آج تپتی سلاخوں کی سنگینیت اور ان کا زہر چاٹنے پر مجبور ہیں۔۔ دیکھی آپ نے قانون عروج و زوال کی حکمرانی؟؟؟ یہ قانون کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔۔۔ آخر الامر وہی ہوتا ہے جو حکم ہوتا ہے قانون خداوندی کا۔۔۔ شکست و ذلت کی گویا وجہ سمجھ میں آگئی کہ اگر متعلقہ قوانین، اقدار کو محض سمجھ بھی لیا جائے تو بھی قطعاً" کوئی فرق نہیں پڑتا جب تک کہ انہیں دل میں نہ اتارا جائے۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ جب کوئی قوم، معاشرہ، خاندان، گھر یا کوئی فرد متواتر و مسلسل اس قسم کی حرکتوں (حکمرانیٔ قانون خداوندی سے انکار یا ان کی تکذیب) میں ملوث رہتا ہے تو مکافات عمل کی رو سے اس کا نفسیاتی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اخلاقی انحطاط کس شکل و صورت میں ابھر کر سامنے آجاتا ہے یا اسے کس نام سے پکارا جاتا ہے، اس ضمن میں بھی ہماری راہنمائی کے لئے قرآن مجید کی نشاندہی کافی ہے اور بالکل واضح۔

ہجوم آدم کو اجمالاً" تین بڑے گروپوں (Categories) میں بڑی آسانی کے ساتھ تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے میں یہاں واضح کرتا چلوں کہ مضمون ہذا کا تعلق (جیسا کہ شروع میں بھی بتایا جا چکا ہے) کسی خاص شہر یا ملک، کسی خاص تنظیم یا تحریک، کسی خاص ادارہ، ٹرسٹ، کسی خاص دفتر یا فیکٹری یا کسی خاص برادری یا فرد سے قطعاً" نہیں۔۔ بلکہ اس کا تعلق زمان و مکان (Time and Space) سے مبرا ہر انسانی معاشرے سے ہے۔ جب بھی اور جہاں کہیں بھی 10 افراد (معاشرہ) اکٹھے ہو کر چلیں گے، جمع تفریق اور تقسیم کے اس عمل کا شروع ہو جانا لازمی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ان مخلص لوگوں کو خاص طور پر اس امرواقعہ کی جانب بار بار توجہ دلائی ہے جو کسی بڑے یا اعلیٰ مقصد کے لئے منظم طور پر آگے بڑھنے کی لگن رکھتے ہیں۔ اس مضمون کا عنوان بھی اسی لئے "تنذیر" (Warning) منتخب کیا گیا ہے۔ تو بات یہ ہو رہی تھی کہ ہجوم انسانی کو تین بڑے گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جو ایک اٹل حقیقت ہے۔

پہلی قسم کے لوگ بڑے قابل تکریم اور اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہوتے ہیں۔ یہ قلب سلیم کے حامل نظریاتی لوگ ہوتے

ہیں۔ اپنے مقصد و نظریہ کا حتم و یقین کے ساتھ علی الاعلان دعویٰ ہی نہیں کرتے بلکہ اس پر سختی اور اخلاص کے ساتھ عمل پیرا بھی رہتے ہیں' ہر قیمت اور ہر حال میں مستقل مزاج۔ یہ اپنے لئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کی تعمیر و بقا کے لئے سوچتے ہیں۔ یہ مرتے نہیں زندہ رہتے ہیں دلوں میں' خیالوں میں اور کتابوں میں بھی۔ ان کی تصاویر کوچہ و بازار ہی میں نہیں گھر گھر امید زندگی کا سبق لئے آویزاں رہتی ہیں۔ ان کا نظریہ اگر شرف انسانیت کا حامل ہے تو خدا انہیں مومن کہہ کر پکارتا ہے۔ (اگر کوئی کجی ہو تو رسولان خدا ان کے قبلیے کی درستی کے لئے دعا کرتے ہیں کہ یہ بڑے صاف' واضح اور کھرے قلب و کردار کے حامل ہوتے ہیں) ان کی دو ایک ہی کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔ مثلاً۔

فکر و نظر اور سعی و عمل کے دلدادہ' اپنی لگن میں جرات و استقلال کے ساتھ مگن۔ خلوت ہو یا جلوت' خوف و حزن سے بے نیاز' بکار خویش مست رہنا ان کی عمومی علامت ہے۔ پورے معاشرے میں اسی وجہ سے ایک خاص پہچان رکھتے ہیں۔ کوئی مسئلہ ہو یا تنازعہ' ہمیشہ' علی وجہ البصیرت ایک ٹھوس اور دو ٹوک رائے رکھتے ہیں۔ حق و باطل میں بیانگ دہل تفریق کر کے فاروق کہلائے جانے کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ ہر مثبت و تعمیری فکر و عمل کو اگر کھلم کھلا داد و توصیف سے نوازتے ہیں تو دوسری طرف ہر منفی و تخریبی فعل و کرتوت کی بھی اتنی ہی شدت کے ساتھ خبر لینے میں ذرا نہیں جھجکتے۔۔۔۔ مختصر یہ کہ تعلق (involvement) اور ایثار (devotion) کی ایک جبل نما مثال ہوتے ہیں یہ دیوانے لوگ۔۔۔۔ اور آخر کار دنیا و آخرت کی چمک و روشنی مرہون منت ہوتی ہے انہی مقدر کے ستاروں کی۔

دوسری قسم یا دوسرے درجے کے لوگ' ضد اور ہٹ دھرمی کی ایک واضح مثال ہوتے ہیں۔ اپنی انانیت اور چودھراہٹ کے تحفظ میں صداقت سے انکار کر دیتے ہیں۔ رشد و ہدایت سے منکر ہو کر ابوجہل کے حواری اور کفار کہلاتے ہیں۔ تیسرے اور پست ترین درجے میں گر جانے سے بچ اس لئے جاتے ہیں کہ یہ لوگ دھوکہ باز نہیں ہوتے' آستین کے سانپ قطعاً" نہیں ہوتے۔ کھلے عام مخالفت کرتے ہیں' جان پر بن آئے تو گردنوں کا سودا کرنے میں بھی ذرا تامل یا تاسف نہیں کرتے۔

اب آیئے اس درجے کی طرف۔۔ اگر درجہ کہا جا سکے تو۔۔ جس کا وجود ہی ننگ انسانیت ہے۔۔ فساد آدمیت ہے۔۔ تباہی اجتماعیت ہے۔۔ آپ فوراً سمجھ گئے ہونگے۔۔ کہ ان لوگوں کو منافقین کا ٹولہ کہا جاتا ہے۔ اللہ کریم ہر شریف اور نظریاتی شخص کو انہیں پہچاننے اور ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے' آمین!

الٹیئے اوراق فوراً تاریخ انسانیت کے! آپ دیکھیں گے کہ پوری انسانیت ان کے لگائے چرکوں اور چوٹوں سے چور چور ہے' مورخین نے ان پر خوب اور کھلی طبع آزمائی کی ضرورت پر بڑا زور دیا ہے اور قرآن کریم کی شہادت تو ایک ایسی ٹھوس شہادت ہے کہ جس کا انکار ناممکن ہے۔ سارے دور نبوت میں نبی پاک ﷺ کو جتنا ان لوگوں نے ستایا ہے اس کی مثال محال ہے۔ جبکہ نمازیں۔۔ یہ لوگ آپ صلعم کے پہلو۔۔ میں کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔ آستین کے غیر محسوس اور زہریلے سانپ ان کا دوسرا نام ہے۔

موضوع زیر نظر کا نقطہ ماسکہ چونکہ یہی گروہ اور اس کی مذموم حرکتیں ہیں لہٰذا ضروری سمجھا گیا ہے کہ ان بیچاروں اور ان کی مخصوص بیماری پر قدرے کھل کر بحث کی جائے' اس کی واضح نشاندہی کی جائے تاکہ اس خبیث ذہنیت کو پہچاننے میں آسانی ہو۔

کہتے ہیں بلکہ قول عمرؓ بھی یہی ہے کہ کسی کو جاننے پہچاننے کے لئے ضروری ہے "واسطہ پڑا ہو یا واسطہ پڑا ہو"؟۔۔۔ یا دوسرے الفاظ میں حضرت عمرؓ کے [illegible] میدانوں میں سے کم از کم ایک میدان میں [illegible] ہے۔ ہمسائیگی میں' سفر میں یا لین دین [illegible] ہے کہ مذکورہ میدانوں میں

سے دوسرے کا جاننا پہچاننا تو ہوتا ہی ہے خود اپنی ذات کا عمل تجزیہ ہو جاتا ہے کہ وہ خود کتنے پانی میں ہے۔ یہ تو بات عام لوگوں کی' عمومی حالات و واقعات کی صورت میں۔ بات کر رہے تھے پست ترین درجے کے حامل مخصوص افراد جنہیں عرب اور ہندوپاک والے منافقین کہتے ہیں۔

ان کے وجود پذیر ہونے یا قائم رہنے کی بڑی اور اساسی وجہ ان کی جسمانی' مادی یا کسی اور نوعیت کی کمزوری ہوتی ہے۔ ہر وقت اور ہر قدم پر ڈرے ڈرے اور سہمے سہمے سے رہتے ہیں۔ بڑی سے بڑی بات کو بھی چھوٹی چھوٹی باتیں کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کہیں خود نہ دھر لئے جائیں--- یہی ہیں وہ دراصل خوف و حزن کے مارے منافق لوگ جو معاشرے میں بظاہر "شرفاء" کے نام سے متعارف رہتے ہیں---

یہ بڑے چالاک و ہوشیار اور کبھی کبھی Over Clever بھی بنتے ہیں۔ یہ ان کی دوسری بڑی نشانی ہے۔ "وختہ" پڑنے یا کسی Crunch میں آجانے کے خوف سے اگر انہیں کسی کے سامنے ہاتھ بھی جوڑنے پڑ جائیں تو ان کے لئے کوئی مسئلہ نہیں--- کہ غیرت و خودداری کبھی انہیں چھو کر بھی نہیں گزری ہوتی--

ان کی تیسری بڑی نشانی یہ ہے کہ یہ ہمیشہ مقتدر' بااثر لوگوں کے گرد طواف کرتے نظر آئیں گے۔ اس طرح ان کا نام نہاد معاشرتی رتبہ (Social Status) برقرار رہتا ہے۔ غیر موثر یا عام لوگوں کے ساتھ یہ کبھی بھی تعلقات استوار نہیں کریں گے۔ یہاں انہیں اپنے کمتر ہونے کا احساس ستانے لگتا ہے--- جونہی انہیں موجود مقتدر کے اقتدار سے اترنے کا یقین ہوا' یہ فوراً اقتدار میں آنے والے ممکنہ افراد (ایک یا ایک سے زیادہ) کے ساتھ پینگیں بڑھانا شروع کر دیتے ہیں--

چوتھی نشانی ان کی یہ ہے کہ ہر فرقے اور ہر نظریے کے طاقت ور یا موثر افراد ان کے قریبی دوست ہوتے ہیں۔ کسی کو بھی خفا نہیں کرتے۔ ان مختلف و متضاد لیکن بااثر افراد کے سامنے ان کی باچھیں ہمہ وقت کھلی رہتی ہیں۔

پانچویں بڑی علامت ان کی یہ ہے کہ یہ جس نظریہ یا تحریک سے وابستگی کا بظاہر دعویٰ کرتے ہیں اس کا علی الاعلان اظہار کبھی نہیں کریں گے۔ موثر لوگوں ("اپنے" ہوں یا "پرائے") کے خلاف کوئی بات کہنا یا انہیں غلط قرار دینا تو ان کے مزاج اور ذہنیت دونوں کے سخت خلاف ہوتا ہے۔

چھٹی اور آخری بڑی علامت ان کی یہ بھی ہے' جیسا کہ آپ کو ابھی بتایا گیا کہ یہ لوگ کسی کو بھی خفا نہیں کرتے اور Neutral رہنا پسند کرتے ہیں۔ (مقتدرہ کی جانب غیر محسوس جھکاؤ کے ساتھ) خیال رہے کہ Neutral کا درست ترین ترجمہ منافق ہوتا ہے--- یہ ان کے اندر کا وہی خوف ہے (بزدل یا مجرم (Guilty) ثابت ہو جانے کا) جو انہیں کسی فیصلے پر پہنچ کر اقدام اٹھانے سے روکے رکھتا ہے۔ انہیں اپنے ذاتی تعلقات دوسری ہر چیز سے زیادہ عزیز ہوتے ہیں-- ان کی کمزوری یا بزدلی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ ان کے لیے محض چائے کی پیالی یا بکرے کی ایک بوٹی کو بھی' جو انہیں بذریعہ ذاتی تعلقات بہم پہنچتی رہتی ہے' حق کی خاطر قربان کر دینا مصیبت بن جاتا ہے۔ یہ اس لئے منظر عام سے غائب یا دور بھاگ جاتے ہیں یا کم از کم اس شخص کے تو قریب نہیں لگتے جو انہیں سچ اگلنے یا حق کی گواہی دینے پر اکساتا ہو۔ حق کی بات اگر کریں تو انہیں کمزور' بزدل اور منافق کون کہے؟ اپنی ذات کے لئے یہ باعث انتشار اور وجہ افتراق تو بنتے ہی ہیں لیکن اس کے برعکس' یہ لوگ دوسروں کے لئے بھی اپنے کرتوتوں کی بدولت باعث عذاب بن جاتے ہیں۔ افسوس ہے ان پر کہ نہیں جانتے کہ پھونکوں سے شاید دیے تو وقتی طور پر بجھ جائیں لیکن حق کی قندیلیں کبھی نہیں بجھا کرتیں بلکہ خس و خاشاک کو ان کی اٹھکیلیوں سمیت جلا دیا کرتی ہیں' الحذر!

یہ تو تھا ان احمقوں کا ٹولہ جنہیں قرآن کریم نے منافق کہہ کر ان کی ذہنی اور جذباتی کیفیات کی حیرت انگیز اور عبرتناک غمازی کی ہے-- چونکہ بہرحال یہ بڑے خطرناک آستین کے سانپ ہوتے ہیں لہٰذا قرآن مجید نے ان سے بچنے کے لئے بار

بار خبردار (Warn) کیا ہے۔ یقین نہ آئے تو قرآن کریم اٹھایئے اور خود دیکھ لیجئے کہ انہوں نے انبیاء اور صحابہ کرام کو کس قدر اور کیسے کیسے چرکے لگائے۔ لیکن آخرالامر۔۔ انہیں منہ کی کھانا پڑی' ذلیل و خوار ہوئے اور پھر نسیاً منسیاً ہو گئے کہ یہی ان کا اپنا پسندیدہ مقدر ہے۔۔

آخر میں ذکر آتا ہے اس ہجوم انسانی کا جسے آپ "یہ بے چارے" کہہ کر گزر جاتے ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ آج اکثریت انہی کی ہے۔۔۔ انہیں آپ نظر انداز بھی تو نہیں کر سکتے' نہ ہی کرنا چاہئے۔ (قریباً 25 سال پہلے یا قرآن کریم (بذریعہ بصیرت پرویز) کے مطالعے سے پہلے' مجھے یہ اعتراف کرنے میں ذرا عار نہیں کہ میں بھی اسی گروہ کثیر سے تعلق رکھتا تھا)۔

یہ "بے چارے" وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن کریم نے جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا ہے۔ کیوں؟ صرف اس لئے کہ یہ لوگ عقل و شعور (جو صرف انسان ہی کا خاصہ ہے) سے زیادہ بلکہ محض جذبات کے پیچھے' بھیڑوں بکریوں کی مانند' چپ چاپ چلتے چلے جاتے ہیں۔

جب کہیں ایک دفعہ' محض جذبات کی رو سے' کسی ایک طرف لگ گئے بس لگ گئے۔ یا کسی مذہبی یا سیاسی شخصیت کے ہو گئے تو بس ہو گئے۔ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے۔ ان کی "مستقل مزاجی" میں کوئی فرق نہیں آتا۔ کمزور' بے تو اندھے' گونگے اور بہرے بنے پھرتے رہیں گے کچھ کر لیں ان کے کان پر جوں تک نہیں رینگتے گی زور آور ہوں تو لڑنے مرنے پر اتر آئیں گے لیکن ساختہ خدا یا اس کی خدائی کو چھوڑنا ان کے بس میں نہیں تاہم۔۔ اس جم غفیر کی غفلت و جذباتیت کی بنا پر مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں کہ یہی تو وہ لوگ ہیں جو کے ساتھ ساتھ انہی مذکورہ بالا تین خانوں میں آہستہ تقسیم ہو کر ان درجوں کو رونق و آرائش بخشتے ہیں آج اس موقع کی مناسبت سے ایک حقیقت کا اظہار بیانگ کرنے کی جسارت اور سعادت حاصل کر رہا ہوں کہ اس بے خبر کو راہ ہدایت صرف اور صرف قرآن خالص یا وہ بصیرت قرآنی جسے علامہ پرویز مرحوم نے پیش کیا ہے کی بدولت ہی مل سکتی ہے' ورنہ کبھی نہیں' ہرگز نہیں۔۔۔ ان تک مسلسل تعلیم و حکمت قرآنی پیش کرتے چلے جایئے کہ یہی ہمارا مقصد ہے' یہی ہمارا نصب العین اور یہی ہماری تحریک ہے۔۔

جلا رہا ہوں میں اپنے لہو سے دل کے چراغ
نجانے کتنی محبت ہے روشنی سے مجھے

اللہ نگہبان!

فرمان قائداعظمؒ

"اس اسکیم کو پیش کرتے ہوئے جو اصول میرے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں تھا وہ مسلم ڈیماکریسی کا اصول تھا یہ میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس ذات اقدس واعظم حضور رسالتمآبؐ کے اسوۂ حسنہ کے اتباع میں مضمر ہے جس نے ہمیں قانون (خداوندی) عطا فرمایا' آیئے ہم اپنی جمہوریت کی بنیاد سچے اسلامی اصولوں پر رکھیں' ہمارے خدا نے ہمیں سکھایا ہے کہ ہماری مملکت کے معاملات باہمی مشاورت سے طے پائیں۔"

(سبی دربار بلوچستان۔ ۱۴ فروری ۴۸ء)

(طلوع اسلام جنوری ۶۱ء صفحہ ۴۲)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عاطف طفیل (لاہور)

اپنی باگیں تھامئے

امسال 12 مارچ 2000 کو بزم طلوع اسلام لاہور نے علامہ غلام احمد پرویزؒ کی یاد میں ان کی برسی کے موقعہ پر پرویز میموریل لیکچر کا اہتمام کیا۔ جناب عاطف طفیل صاحب نے درج بالا موضوع پر لیکچر دیا' جس کا خلاصہ خود انہیں کا تحریر کردہ' قارئین طلوع اسلام کی خدمت میں حاضر ہے۔ (ادارہ)

قرآن حکیم کے مطابق انسان کا سب سے بڑا شرف اس کا اختیار و ارادہ ہے۔ البتہ انسان بالعموم حالات سے مجبور ہو کر اپنے اختیار و ارادہ سے محروم ہو جاتا ہے جبکہ ارشاد خداوندی ہے کہ انسان مجبور نہیں' صاحب اختیار پیدا کیا گیا ہے۔ پس ہم نے اگر مقام انسانیت پر جلوہ افروز ہونا ہے تو پھر ہمیں اپنی شخصیت کا تعین خارجی عوامل کی بجائے اپنے ذاتی و شعوری فیصلوں سے کرنا ہو گا۔

اپنی باگیں تھامنے کے لئے ہمیں اپنی شخصیت میں درج ذیل تبدیلیاں لانا ہوں گی۔

(1) غور و فکر سے اپنے لئے ان اقدار کو قبول کرنا ہو گا جن کے مطابق ہمیں جینا ہے:

ہم جن اقدار کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں وہ ہم غیر شعوری طور پر اپنے والدین سے مستعار لیتے ہیں۔ والدین سماجی اقدار کے مطابق ہماری تربیت کرتے ہین اور ہم بھی سماج کی منظور کردہ اقدار کو اپنی اقدار بنانے میں عافیت محسوس کرتے ہیں۔ یاد رہے اپنی راہ خود منتخب کرنا' اپنی قدریں بنانا بچوں کا کھیل نہیں کیونکہ اس میں تنہائی کی اذیت برداشت کرنا پڑتی ہے اور معاشرے سے علیحدگی اس کی قیمت ہے۔ اسی لئے اس بھاری پتھر کے بوجھ سے نجات پانے کے لئے عام لوگ خود بخود دوسروں کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔

(2) اپنے بارے میں دوسروں کی رائے قبول کرنے سے انکار کر دیجئے:

آپ وہ نہیں جو لوگ آپ کو سمجھتے ہیں۔ اسے ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ ایک شخص آپ سے صبح ملتا ہے اور آپ سے کہتا ہے کہ آپ آج بہت افسردہ لگ رہے ہیں اور پھر ایک کے بعد دوسرا یہی کہتا چلا جاتا ہے اور بالآخر آپ کو خود بھی اپنی پژمردگی کا احساس ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ نتیجہ ہے دوسروں کی رائے کو اپنے اوپر سوار کرنے کا اور اسی طرح لوگ ہماری شخصیت کے متعلق فیصلے سناتے رہتے ہیں اور ہم بھی ان کے اقوال کو اپنے متعلق قول فیصل کی حیثیت دے دیتے ہیں۔ لیکن یہ طرز عمل ہمیں لوگوں کے کنٹرول میں منتقل کر دیتا ہے اور ہم ان کے ہاتھوں مجبور ہو جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ اہم نہیں کہ لوگ ہمارے متعلق کیا سوچتے ہیں بلکہ اصل اہمیت اس کی ہے کہ ہم اپنے متعلق کیا سوچتے ہیں اور خود کو کس نظر سے دیکھتے ہیں۔

(3) اپنے آپ کو بلا شکایت قبول کریں اور اپنے آپ کو قابل قدر سمجھیں:

اپنے آپ کو مکمل طور پر قبول کریں۔ اپنی شخصیت کے ان پہلوؤں کو بھی قبول کریں جنہیں آپ ناپسندیدہ سمجھتے ہیں۔ قبول ضرور کریں بے شک پسند نہ کریں کیونکہ اپنے آپ کو کلی اعتبار سے قبول کر کے ہم اندرونی کشمکش سے چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں اور اپنے ارتقاء کے لئے غیر منقسم صورت میں کوشش کر سکتے ہیں۔

(4) دوسروں سے اپنا مقابلہ چھوڑ دیں کیونکہ ہر شخص اپنی

جگہ اہم ہے۔

ہمیں تقابل سے اجتناب کرنا چاہئے۔ دوسروں سے مقابلہ کر کے اپنی عزت نفس کا تعین کرنا بہت ضرر رساں ہوتا ہے کیونکہ اگر آپ کی عزت نفس فتح کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر ہر شکست آپ کی عزت نفس میں شگاف ڈال دے گی۔ مت بھولئے کہ جو ذرہ جس جگہ ہے' وہیں آفتاب ہے۔

(5) اپنی قدر و قیمت کے لئے دوسروں کی تصدیق و تائید سے آزاد ہو جایئے۔

آپ اپنی قدر و قیمت کو جاننے کے لئے اگر دوسروں کے محتاج ہیں تو پھر یہ یقیناً محتاجی و غلامی کی سب سے بدترین صورت ہے۔ اپنی قدر و قیمت کا احساس اپنی مضمر صلاحیتوں کو اجاگر کر کے کیجئے۔ اپنے آپ کو خود سے قابل قدر سمجھیں۔

(6) زمانے کی پرواہ ترک کرنا ہو گی۔ زمانے کی پرواہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے لوگ آپ سے زیادہ اہم ہیں:

اگر آپ کا زیادہ تر وقت دوسرے لوگوں کی پسندیدگی حاصل کرنے میں بسر ہوتا ہے اور یہ آپ کی ضرورت بن گیا ہے تو سمجھ لیجئے حقیقی مصیبت کا آغاز ہو گیا۔ ہر بات کے لئے ہر شخص کی پسند کا خیال رکھنا پڑے اور اس کے بغیر آپ کوئی قدم نہ اٹھا سکیں' تو سمجھ لیجئے کہ رنج و الم آپ کا مقدر بن گئے۔ دوسروں کی پسند بلکہ یوں کہئے کہ ان کی منظوری و تائید سے نجات حاصل کرنا آپ کی اپنی مطمئن زندگی کے لئے از بس ضروری ہے۔ یاد رہے کہ ہمارا دین اسلام انفرادی آزادی اور خود اعتمادی کو قابل قدر خوبیاں قرار دیتا ہے۔ یاد رکھئے کہ ہم ہر ایک کو خوش نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے یہ کوشش ہی بے سود ہے۔

(7) ماضی کی یاد اور مستقبل کے اندیشوں سے ماوراء ہو کر زمانہ حال میں زندگی بسر کریں:

قدیم نسل ماضی کے ترانے الاپتی ہے جبکہ نسل نو کھلی آنکھوں سے مستقبل کے سہانے خواب بنتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ زندگی نہ ماضی میں ہوتی ہے اور نہ ہی مستقبل میں' صرف اور صرف زمانہ حال ہی زندگی کا امین ہوتا ہے۔ ہمیں "آج" کو پسند کرنا ہو گا تاکہ ہمیں "کل" بھی پسندیدہ ملے۔ ہم نے اگر "آج" کو خوشگوار نہ بنایا تو "کل" بھی دلکشی سے محروم رہے گا۔ اس لئے ہمیں شعوری کوشش سے "لمحہ موجود" میں موجود رہنا ہو گا۔

(8) شکوہ و شکایت کی عادت ترک کر دیجئے:

ہماری روزمرہ زندگی شکوہ و شکایت سے معمور ہوتی ہے۔ ہم کبھی تو ملکی حالات کی ابتری کا گلہ کر رہے ہوتے ہیں اور کبھی سماجی نظام کی بدحالی کا ماتم کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح زمانے کی ستم ظریفی اور دوستوں کی طوطا چشمی بھی ہمارے لئے شکایت کا سامان پیدا کرتی رہی ہے۔ لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ گلہ اور شکایت شکست خوردہ لوگوں کا طرز عمل ہوتا ہے۔ اولوالعزم لوگ اپنے دائرہ اختیار میں اپنی توانائیاں صرف کرتے ہیں اور جو کچھ ان کے دائرہ اختیار سے باہر ہوتا ہے' اسے حالات کے بہاؤ پر چھوڑ دیتے ہیں۔ ایسے باہمت لوگوں کا پسندیدہ شعر کچھ یوں ہوتا ہے کہ ۔

شکوۂ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

(9) پریشانی کا علاج حسن عمل میں تلاش کیجئے:

پریشانیاں ہمیں اس وقت گھیرتی ہیں جب ہم ہاتھ پہ ہاتھ دھرے منتظر فردا رہتے ہیں اور اپنی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لئے اعمال صالحہ کا وسیلہ استعمال نہیں کرتے۔ یاد رہے پریشانی حالات سے نہیں' خیالات سے پیدا ہوتی ہے اور یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ پریشانی بے مقصد زندگی کی سزا ہے۔

(10) اپنی زندگی کی ذمہ داری اٹھایئے۔ اس حقیقت کو تسلیم کریں کہ اپنی زندگی کو جنت بنانا یا جہنم بنانا صرف اور صرف ہمارے اپنے اختیار میں ہے:

ہمیں اپنے خیالات و تصورات' انتخابات' احساسات اور اعمال کا ذمہ دار بننا ہو گا۔ ہم اس حیات ارضی میں کسی اور کی لکھی ہوئی تمثیل میں کردار ادا کرنے کے لئے نہیں بھیجے گئے

ہم خود ہی اپنی زندگی کی کہانی تحریر کر رہے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اختیار ملا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو سنوار بھی سکتے ہیں اور بگاڑ بھی سکتے ہیں۔ کوئی مسیحا ہماری حالت کو بدلنے کے لئے نہیں آئے گا۔ ہمیں خود اپنی زندگی کی ذمہ داری قبول کرکے اپنی حالت کو بدلنے کا عزم مصمم کرنا ہو گا۔

کسی سے بھی توقعات وابستہ مت کیجئے اور نہ ہی کسی کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کیجئے:

ہم اپنی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے جب کسی سے توقعات وابستہ کرتے ہیں تو دراصل ہم اپنے اختیار و ارادہ سے محروم ہونے کا اعلان کرتے ہیں۔ اب دوسرا جس سے ہم نے توقعات وابستہ کی ہیں وہ ہم پر نظر کرم کرے گا تو ہماری بگڑی بنے گی ورنہ ہم یونہی تصویر غم بنے بیٹھے رہیں گے۔ مزید برآں یہ کہ جب ہماری توقعات پوری نہ ہوں تو ہم مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر یہ ہر کسی کو اپنی زندگی اپنے انداز میں بسر کرنے کا حق ہے اور ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ ہم بھی کسی کی توقعات پر پورا نہیں اتر سکتے کیونکہ اگر ہم دوسروں کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کرنے لگے تو نتیجتاً ہم موم کی ناک بن جائیں گے۔

(12) اپنی زندگی کو بامقصد بنایئے:

انسان کسی اعلیٰ و ارفع مقصد کے بغیر حیوانی سطح کی زندگی تو بسر کر سکتا ہے لیکن انسانی سطح پر جینے کے لئے کسی روح پرور مقصد کا انتخاب لازم ہے۔ مقصد کی لگن ہماری زندگی میں تنظیم پیدا کرتی ہے اور ہمیں جینے کا ولولہ عطا کرتی ہے۔

(13) سماجی دباؤ کو قبول کرنے سے انکار کر دیجئے:

ہماری ساری زندگی لوگوں سے ڈرتے ڈرتے گزر جاتی ہے۔ ہر معاشرہ اپنے افراد و ارکان پر دباؤ ڈالتا ہے کہ وہ اس کے اوامر و نواہی کے تابع رہیں۔ اس فرد کو بیمار متصور کیا جاتا ہے جو معاشرے کی مشین میں فٹ نہ ہو سکے لیکن مقام غور یہ ہے کہ معاشرہ ہی اگر من حیث الکل بیمار ہو تو پھر سماجی دباؤ کے آگے جھک جانے سے ہماری بیماری میں اضافہ تو ہو سکتا ہے لیکن کمی کا کوئی امکان نہیں۔ تاریخ ساز افراد نے ہمیشہ سماجی دباؤ کے آگے جھکنے سے انکار کیا ہے۔ جیسے سر سید احمد خان جنہوں نے شدید سماجی دباؤ کے علی الرغم انگریزوں کی غیر شعوری مخالفت کی بجائے ان کی شعوری موافقت کا راستہ اپنایا۔

(14) شعوری زندگی بسر کیجئے:

شعوری زندگی وہ ہوتی ہے جس میں اعمال، ان کے نتائج کو نگاہ میں رکھ کر، کیے جاتے ہیں۔ ہم عموماً میکانکی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہم نتائج سے بے نیاز ہو کر اعمال کرتے ہیں۔ جیسے سگریٹ نوش سگریٹ نوشی کا ارتکاب نتیجے سے بے پروا ہو کر کرتا ہے۔ اسی طرح جب ہم نتائج سے بے نیاز ہو کر اعمال کریں گے تو یوم الدین کو ہمارے پاس حسرت و یاس کے سوا کچھ نہ ہو گا۔

(15) ہر صورت حال میں مسکرایئے:

ہم اگر اپنے غموں اور محرومیوں پر مسکرانا شروع کر دیں تو پھر ہم کلفتوں کے منفی اثر سے آزاد ہو سکتے ہیں۔ اپنی زندگی کو سنوارنے کے لئے اخلاص سے کام لیں اپنی حس مزاح کو پروان چڑھایئے اور مصائب کے پہاڑ بھی ٹوٹ پڑیں تو ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں رہے۔

(16) خود اعتمادی و خود پسندی کو اپنایئے اور کسر نفسی اور خود رحمی کو ترک کیجئے:

تمام جسمانی و نفسیاتی بیماریاں خود اعتمادی کے بڑھنے سے رفع ہوتی ہیں۔ اور خود اعتمادی کے فقدان سے مہلک ہوتی ہیں۔ اپنے آپ پر ترس کھانا چھوڑ دیں۔ بیمار اور لاغر روحیں اپنے اوپر ترس کھاتی ہیں جبکہ صحت مند ارواح خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنا جہان آپ پیدا کرتی ہیں۔ خود اعتمادی کو بڑھانے کے لئے سہاروں کی تلاش چھوڑ دیں اور اپنے زور بازو سے حالات کا رخ تبدیل کر دیں۔

(17) بہت سی چیزوں کے بارے میں بہت کچھ جاننے کی جدوجہد کریں:

ہر چیز میں دلچسپی لیں کیونکہ کچھ بھی دلچسپ نہیں ہوتا اگر

آپ خود اس میں دلچسپی نہ لیں۔ ہر لحہ ہر آن کچھ نہ کچھ سیکھتے رہیں کیونکہ کہولت کا شکار وہ ہوتے ہیں جو سیکھنے کا باب بند کر دیتے ہیں۔ زندگی کے کسی مرحلے پر بھی سیکھنے کا سلسلہ منقطع نہ کیجئے۔

(18) قرآن حکیم کی مستقل اقدار کا اتباع کیجئے:

ہمیں اپنے شعوری فیصلے سے قرآن کریم میں محفوظ مستقل اقدار کی برضا و رغبت اطاعت کرنی ہو گی قسم کی اطاعت کا ڈنکے کی چوٹ پر انکار کرنا ہو گا۔ یہ کتاب اللہ کا اتباع اس وقت تک ناممکن ہے جب تک جھوٹے معبود کی محکومیت کا انکار نہیں کر دیتے۔

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

ادارہ طلوع اسلام کا شعبہ نشرواشاعت مجلّہ طلوع اسلام اور مختلف موضوعات کے چھوٹے چھوٹے پمفلٹس شائع کرتا ہے۔ خریدار حضرات رقوم بذریعہ منی آرڈر یا بذریعہ ڈرافٹ ﴿چیئرمین ادارہ طلوع اسلام﴾ کے نام ارسال فرمائیں۔ اگر رقم بذریعہ چیک ہی بھجنا چاہیں تو لاہور سٹی کے باہر کے چیکوں کے ساتھ مبلغ ستر روپے بینک چارجز بھی ارسال فرمائیں۔ مثلاً ماہنامہ طلوع اسلام کا سالانہ زرشرکت =170 بنک چارجز =70 کل رقم =240 روپے

﴿ادارہ طلوع اسلام کا اکاؤنٹ نمبر﴾ 3082-7

نیشنل بنک آف پاکستان، مین مارکیٹ برانچ، گلبرگ، لاہور ہے

☆ اگر آپ چیک کی رقم کے ساتھ اکاؤنٹ نمبر لکھیں تو صحیح ہے، ورنہ چیئرمین ادارہ طلوع اسلام لکھنا نہ بھولئے۔

☆ اگر آپ بنک میں رقم (Direct) بھجیں تو اس کے متعلق ادارہ کو ضرور مطلع کریں۔ کہ یہ رقام کس مقصد کے لئے بھیجی گئی ہے۔

☆ مجلّہ طلوع اسلام کے لئے ☆ پمفلٹ فنڈ کے لئے ☆ تبلیغ فنڈ کے لئے

☆ جن قاری حضرات کو مجلّہ ہر ماہ کی چھ تاریخ تک نہ ملا ہو وہ ادارہ کو مطلع کریں۔ اس تاریخ کے بعد شمارہ نہیں بھیجا جا سکے گا۔

☆ جن قاری حضرات نے اپنے ایڈریس تبدیل کرانے ہوں۔ وہ ہر ماہ کی 15 تاریخ تک ادارہ کو مطلع کریں۔ تاکہ شمارہ آپ کو بروقت مل جائے۔ بصورت دیگر اس ماہ کا شمارہ پرانے اڈریس پر سپر ڈاک ہو گا۔ شکریہ۔

(سرکولیشن منیجر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ارشاد دانش

طاہرہ بہن کے نام

ہماری اچھی بہن!

آپ کا خط اپریل 2000ء کے طلوع اسلام میں پڑھا۔ جو آپ نے ایک "طاہرہ بیٹی" کے خط سے متاثر ہو کر لکھا ہے آپ نے اس خط میں اپنے "سلیم بھائیوں" سے کچھ سوالات کئے ہیں۔ آپ کے اس خط نے جس طرح مجھے جھنجوڑا اسی طرح یقیناً دوسرے "سلیم بھائیوں" کو بھی جھنجوڑا ہو گا۔ میں آپ کا ایک "سلیم بھائی" ان تمام کی نمائندگی کرتے ہوئے آپ کے کچھ سوالوں کے جوابات دینے کی کوشش کر رہا ہوں۔

آپ نے جن مسائل کا ذکر کیا ہے مجھے ان سے پوری طرح اتفاق ہے۔ یہ سچ ہے کہ ہمارے معاشرے میں ایسے گھناؤنے بے رحم اور سفاک افراد مرد کے روپ میں موجود ہیں۔ یہ کردار کوئی غیر نہیں۔ ہمارے ہی باپ' بیٹے اور بھائی ہیں۔ ان کی بیٹیاں' مائیں' بہنیں معصومیت کا کردار بنتی ہیں۔ ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتتی ہیں' ظلم سہتی ہیں' روحانی اذیتیں برداشت کرتی ہیں۔ عذابوں کے پل صراط پر چلتی ہیں۔ اذیتوں کے سمندر پار کرتی ہیں۔ سسک سسک کر گھٹ گھٹ کر کربناک زندگی گزارتی ہیں۔ ہر لمحے جی جی کر مرتی ہیں۔ ان کی زندگیوں کے فیصلے دولت کے ترازوؤں پر کیے جاتے ہیں۔ جانور کی طرح بیچا جاتا ہے۔ بھیڑ بکریوں کی طرح جس کھونٹے کے ساتھ چاہے باندھ دیا جاتا ہے۔ اپنوں کی مادیت پسندی' خود غرضی بے حسی کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں مگر پھر بھی وہ خاموش رہتی ہیں۔ کیونکہ وہ بے بس' مجبور' بے زبان' لاچار ہوتی ہیں۔ وقت اور حالات کی اذیت ناکیاں' سختیاں و مصائب کی تلخیاں' کربناکیاں ان کے "اپنے" مقدر میں رکھ دیتے ہیں۔ ان کو لڑکی ہونے کی سزا دی جاتی ہے۔ ان کی خوشیوں' ارمانوں' آرزوؤں اور امنگوں کا خون کیا جاتا ہے۔ 14 سو سال پہلے لوگ پیدا ہوتے ہی لڑکیوں کی زندگی کا خاتمہ کر دیتے تھے مگر آج انہیں زندہ رکھتے ہوئے جسمانی نہیں روحانی موت دی جاتی ہے۔

میری اچھی بہن! آپ کے شکوے بجا کہ مرد نے آج تک عورت کے ساتھ ظلم و ستم کے علاوہ کچھ نہیں کیا۔ لیکن کبھی آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ آپ نے اپنے لئے کیا کیا؟

ذرا سوچو! سلیم اور طاہرہ نے ایک ہی کوکھ سے جنم نہیں لیا؟ پھر سلیم کیونکر برتر ہوا اور طاہرہ کیونکر کم تر؟

کیا خدائے بزرگ و برتر نے مرد اور عورت کو ایک جیسا پیدا نہیں کیا؟ ایک جیسا رتبہ نہیں دیا؟

آپ کے اس استحصال کا ذمہ دار صرف سلیم نہیں بلکہ تم بھی ہو۔ طاہرہ تم! آخر سلیم بھی تو کسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوا ہے پھر اس خاتون نے اسے یہ تعلیم کیوں نہ دی کہ وہ اپنی بہن کے حقوق کا احترام کرے؟ کیا والدہ کی آغوش بچے کی پہلی درس گاہ نہیں ہوتی؟ اس درس گاہ میں اسے کیا سکھایا گیا ہے۔

اچھی بہن! یہ وقت شکوے شکایتوں میں گزارنے کا نہیں۔ حقیقت کے صحیح ادراک کا ہے۔ آپ کو اپنے ساتھ مخلص ہونے کی ضرورت ہے۔ آپ کو خود احتسابی کا ایک مضبوط نظام تشکیل دینا ہو گا۔ تاکہ وقتاً" فوقتاً" حالات کا تجزیہ کیا جائے اور پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے۔ خود احتسابی کے عمل سے گزرے بغیر کامیابی کا حصول ممکن نہیں۔ کامیابی

کے لئے مضبوط کمٹمنٹ (Commitment) کی ضرورت ہوتی ہے اور کمٹمنٹ صرف اسی صورت برقرار رہتی ہے۔ جب آپ حالات کا جائزہ لیتے رہیں۔

اکثر لوگ ہمیشہ اپنی ناکامی دوسروں کے سر تھوپ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک معاشرہ اور حالات اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔ جب آپ اپنی چھوٹی چھوٹی ناکامیوں کے لئے دوسروں کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں تو اس سے صرف ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ اپنی زندگی کے مالک و مختار نہیں اور آپ اپنے مسائل خود بخود حل نہیں کر سکتے۔ یاد رکھئے! ایسا کرنے سے مسائل حل ہونگے نہ ہی ان کا کوئی حل تلاش کیا جا سکے گا۔ جب آپ حالات و واقعات کا بخوبی جائزہ لیتے ہیں تو آپ اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ آیئے اپنے اندر جھانکیے کہ آپ اس وقت کہاں کھڑی ہیں؟ آپ کو اس وقت کہاں ہونا چاہئے تھا؟ اگر آپ وہ مقام حاصل نہیں کر پائیں تو وجوہات تلاش کیجئے۔ ایسا کیوں ہوا؟ محض الزام دینے سے مسائل ختم نہ ہونگے۔

مجھے خوشی ہے کہ میری بہنوں میں "بیداری" کی فضا پیدا ہوئی ہے۔ جسے "بے راہ روی" سے تعبیر کیا جا رہا ہے۔ لیکن خدا کے لئے ایسی آوازوں پر کان نہ دھریئے، نئے جوش اور ولولے کے ساتھ کام کیجئے۔ آپ کے بھائی آپ کے ساتھ ہیں۔ اگر آپ نے مزید وقت برباد کیا اور دنیا کے ساتھ قدم ملا کر نہ چلیں تو آپ بہت پیچھے رہ جائیں گی اور اپنی منزل تک کبھی بھی نہیں پہنچ پائیں گی۔ آج کے اس تیز رفتار زمانے میں جو معمولی سی بھی سستی دکھائے گا وہ بہت پیچھے رہ جائے گا اور پھر اس میں منزل مقصود تک پہنچنے اور کامیاب ہونے کی طاقت نہیں رہے گی۔

کارواں سست مسافر کو سزا دیتا ہے
زرد پتے کو ہر اک پیڑ گرا دیتا ہے

آپ کا بھائی
سلیم

سانحہ ہائے ارتحال

محترم مقبول محمود فرحت صاحب نمائندہ بزم طلوع اسلام لندن کو گزشتہ دنوں یکے بعد دیگرے دو صدمات سے دوچار ہونا پڑا۔ ان کے فرسٹ کزن گروپ کیپٹن (ریٹائرڈ) محمد منیر دل کا دورہ پڑنے سے پشاور میں وفات پا گئے اور خوش دامن مسز مقبول عالم سر میں چوٹ لگنے کے باعث کراچی میں جاں بحق ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومین کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو۔ ادارہ فرحت صاحب اور مرحومین کے دیگر اعزہ و اقرباء کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

تحریک طلوع اسلام کے عظیم کارکن رشید بٹ (بریڈ فورڈ) طویل علالت کے بعد وفات پا گئے ہیں۔ لندن بزم کے بعد بریڈ فورڈ کی بزم طلوع اسلام 1966ء میں انہیں کی محنت شاقہ سے وجود میں آئی تھی۔ انہوں نے مسلسل 30 سال طلوع اسلام کے لئے ان تھک جدوجہد کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی جوار رحمت میں درجات بلند سے نوازے۔ ادارہ طلوع اسلام ان کے بھائی مقصود بٹ صاحب اور بیوہ اور دیگر اعزہ و اقرباء کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

(ادارہ طلوع اسلام)

اشتہار

یکے از مطبوعات باغبان ایسوسی ایشن

(قابل ترمیم)

ریزولیوشن نمبر 21۔ ''حقوق نسواں'' مورخہ 8 مارچ 2000ء

اپنی آخری کتاب قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

''قوت کا سرچشمہ / سپر پاور اللہ جل جلالہ' اپنی آخری کتاب قرآن کریم میں فرماتا ہے۔

تم سب کی پیدائش مرد وزن کے ذریعہ ہوئی۔ یوں ہر خاتون ایک انسان ہے۔

خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰی 49/13 تم سب کی پیدائش مرد وزن کے ذریعہ ہوئی۔ یوں ہر خاتون ایک انسان ہے۔

لہٰذا

کو قابل احترام انسان سمجھا جائے۔

☆ہر خاتون خانہ' ماں' بہن' بیوی اور **بیٹی** کو قابل احترام انسان سمجھا جائے۔

☆ہر خاتون خانہ' ماں' بہن' بیوی اور بیٹی ... جس طرح بیٹے کی پیدائش پر منائی جاتی ہے۔

☆**بیٹی** کی پیدائش پر بھی اسی طرح خوشی منائی جائے جس طرح بیٹے کی پیدائش پر منائی جاتی ہے۔ تعلیم کو لازمی اور

☆زیر تعلیم طلبہ و طالبات کو یکساں تعلیمی مواقع مہیا کیے جائیں۔ طبقاتی نظام تعلیم ختم کر کے پرائمری تعلیم کو لازمی اور

مفت قرار دیا جائے جو اردو زبان میں ہو۔ کے یکساں مواقع دیئے

☆ تعلیم یافتہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو کسی امتیاز کے بغیر مقابلہ کے امتحان یا میرٹ پر ملازمت کے یکساں مواقع دیئے

جائیں۔ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ 4/32 میں خواتین کو کسب وہنر اور ملازمت کی اجازت ہے۔

☆لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا 4/19 کے مطابق کسی خاتون کی جبری شادی نہیں کی جاسکتی' عدلیہ

اس بارے میں مناسب اقدام کرے۔

☆مرد کو حق مہر دینے کی ہدایت ہے۔ خاتون سے جہیز کا مطالبہ کرنا فلسفہ مہر کی ضد ہے۔ لہٰذا جہیز پر پابندی لگائی جائے۔

☆بچوں والی ماں کا گداگری کرنا اس کے میکے' سسرال اور حکومت وقت کے لئے یقیناً باعث شرم وندامت ہے۔ ایسی

تمام ماؤں کے کوائف جمع کر کے انہیں معقول وظیفہ دیا جائے۔

☆خواتین بشمول ممبران باغبان ایسوسی ایشن۔ ممبران NRSP ممبران URDP اور ممبران ویلفیئر کونسل کو بلا سود

قرضہ دیا جائے اور این جی اوز (NGO's) کی رجسٹریشن کو خواتین کی ممبر شپ سے لازمی قرار دیا جائے۔

☆ٹرانسپورٹ میں خواتین کو 40% نشستیں اس طرح دی جائیں کہ بچے والی خاتون کھڑی نہ ہو۔

☆بلدیاتی اداروں' صوبائی اسمبلی' قومی اسمبلی اور سینٹ میں خواتین کو 40% نشستیں دی جائیں۔

پتہ رابطہ :- ملک حنیف وجدانی' صدر باغبان ایسوسی ایشن' معرفت PO موہڑہ سیداں' مری
صبینہ یاسمین' سینئر نائب صدر باغبان ایسوسی ایشن' ٹبی سیداں' سوہاوہ' جہلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حقائق و عبر

علامے یا الامے

ہمارے ہاں ہر مولوی چاہے اسے اسلام کی بنیادی تعلیمات کا اچھی طرح علم نہ ہو اپنے آپ کو علامہ سمجھتا ہے۔ استاد مکرم مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری صاحب ایسے لوگوں کو پنجابی زبان کے 'لامہ' کہتے تھے۔ جس کے معنی گلہ کرنے کے ہیں' اس کی وضاحت ایک تازہ مثال سے ہو گی۔

شاہی مسجد کے امام مولانا غلام مرشد صحابی رسول حضرت بلالؓ کے عمل کا حوالہ دیتے ہوئے قربانی کی بجائے اس کی قیمت کو غریبوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ اس بارے میں امام حزم نے حضرت بلالؓ کا مسلک ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔ **عن سعید بن غفلة قال لی بلال ما کنت ابالی لو ضحیت بدیک ولان اخذ الثمن الا ضحیة ما تصدق به علی مسکین معتر فهو احب الی من ان اضحی (المحلی لابن حزم جلد ہفتم صفحہ 358)** (ترجمہ) حضرت سعید بن غفلتہ سے روایت ہے کہ حضرت بلالؓ نے ان سے فرمایا کہ وہ اس امر کی پرواہ نہیں کرتے کہ وہ قربانی کے لئے مرغ ذبح کریں۔ بلکہ قربانی کے جانور کی قیمت لے کر کسی حاجت مند پر خرچ کر دینا' ان کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے۔

مولانا غلام مرشد تو برصغیر کے بہت بڑے عالم دین تھے' موجودہ زمانے کے علامے تو ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے' اس لئے ان کے بارے میں تو یہ لوگ لب کشائی نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم اس کے حوالے سے انہوں نے علامہ پرویز صاحب کو جاہل قرار دیکر خوب خوب کیچڑ اچھالا ہے۔ علامہ طاہر القادری نے کہا کہ غلام محمد پرویز جاہل تھا' روح شریعت سے بے خبر تھا' اس نے بے دینی کو فروغ دیا۔ ان کے نزدیک قربانی کے جانور کی رقم کو کسی اور کام میں استعمال کرنا جائز نہیں۔ (روزنامہ پاکستان لاہور بابت 17 مارچ 2000ء)

جماعت اسلامی کے علامہ عبدالمالک صاحب تو پرویز صاحب پر کیچڑ اچھالنے میں طاہر القادری صاحب پر بھی سبقت لے گئے۔ فرماتے ہیں قربانی کی جگہ پر اس پر خرچ ہونے والا پیسہ کسی اور جگہ لگانا جائز نہیں۔۔ غلام محمد پرویز' منکر دین' منکر حدیث تھا' علماء نے اس کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا (ایضاً) عبدالمالک صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ انہی علماء نے مودودی صاحب کے خلاف بھی کفر کا فتویٰ دیا تھا!

ان دو علاموں کے علاوہ کچھ دوسرے علاموں' جن میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' علامہ غلام سرور قادری' داتا دربار کے خطیب علامہ مقصود احمد قادری اور کسی حد تک علامہ جاوید غامدی صاحب نے بھی ان کی تائید میں ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔

ان علاموں کی جہالت کا اندازہ اس امر سے لگایا جائے کہ ایک عظیم صحابی رسول قربانی کے جانور کی بجائے' اس کی قیمت کو غریبوں پر خرچ کرنے کو پسندیدہ عمل قرار دیتے تھے۔ لیکن ان جہلاء کو ایک عظیم صحابی کے اس مسلک کا علم نہیں تھا اور کسی اہل علم نے بیان کیا تو اسے تسلیم کرنے کی بجائے' الٹا اسے جاہل قرار دے دیا۔ شریعت اسلامی میں ایسے لوگوں کے

لئے جاہل اجہل کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ اپنے زعم میں تو انہوں نے علامہ پرویز صاحب پر کیچڑ اچھالا ہے لیکن ان کی جہالت سے یہ کیچڑ (نعوذ باللہ) ایک عظیم صحابیؓ رسول پر جا پڑا۔

یہ حضرات اگر واقعی اپنے آپ کو علامہ سمجھتے ہیں تو اپنی اس جہالت کا اعتراف کرتے ہوئے' ایک صحابی رسول کی انہوں نے جو توہین کی ہے اس کے لئے قوم سے معافی مانگنی چاہئے۔ وگرنہ ان پر مولانا شاہ محمد جعفر پھلواری کا یہ قول صادق آئے گا کہ یہ لوگ علامے نہیں بلکہ پنجابی والے الامے ہیں۔ یہ لوگ علامہ غلام احمد پرویز صاحب پر کیچڑ اچھالنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان کے صحیح نام تک سے واقف نہیں۔

قربانی کی کھالوں کی چھینا جھپٹی پر تصادم

روزنامہ دی نیشن کی 20 مارچ کی اشاعت میں ان کے نمائندہ کراچی کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ کراچی کے علاقہ اورنگی میں قربانی کی کھالوں کی چھینا چھپٹی میں جماعت اسلامی اور سنی تحریک کے علماء کے درمیان مسلح تصادم ہو گیا۔ دونوں طرف سے ڈنڈوں کا بے دریغ استعمال کیا گیا جس کے نتیجے میں جماعت اسلامی کے چار کارکن زخمی ہو گئے۔ پولیس نے سنی تحریک کے چار علماء نثار' رشید' صلاح الدین اور نور الاسلام کے خلاف مقدمہ درج کر لیا ہے۔ ابھی تک سارے علاقے میں کشیدگی پائی جاتی ہے اور دکانداروں نے اپنی دکانیں بند کر رکھی ہیں۔ پولیس کا کہنا ہے کہ اس علاقے میں کھالوں کی چھینا چھپٹی پر ایسا تصادم ہوتا رہتا ہے۔ (صفحہ 8 کالم اول)

جب سنی تحریک کے ایک عقیدت مند سے اس واقعہ کا ذکر ہوا تو انہوں نے الزام لگایا کہ جماعت اسلامی نے جنرل ضیاء الحق کے دور میں مارشل لاء کی بی ٹیم کے طور پر خدمات سرانجام دے کر اپنے بہت سے کارکنوں کو سرکاری ملازمتیں دلا دی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دوسرے دینی مسلک کے لوگوں پر زیادتیاں بھی کرتے ہیں اور الٹا ان کے خلاف مقدمے بھی درج کرا دیتے ہیں۔

فرقہ اہل حدیث کی جانب سے کویت کے حق میں عراق کے خلاف قرارداد

29 فروری 2000ء کو روزنامہ جنگ کے تعاون سے ایک اہل حدیث عالم دین کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے ایک کانفرنس کا اہتمام کیا گیا تھا اس کانفرنس میں کویت کے حق میں عراق کے خلاف قرارداد مذمت منظور کی گئی۔ کویت سے ایک صاحب نے وہاں کے عربی روزنامہ القبس کا ایک تراشہ بھیجا ہے۔ انہوں نے بتایا ہے کہ جس دن پاکستان کے علماء کویت کے حق میں یہ قرار داد منظور کر رہے تھے' اسی دن کویت کے علماء حکومت کے خلاف فحاشی پھیلانے کے الزام میں جلوس نکال رہے تھے' اس جلوس کی قیادت کویت کے مشہور عالم دین شیخ ولید الطباطبائی جو کویت اسمبلی کے ممبر ہیں' کر رہے تھے۔ وہ خواتین کے ایک تعلیمی ادارے میں ایک ڈرامے کے خلاف احتجاج کر رہے تھے اور کویت کے وزیر تعلیم یوسف ابراہیم سے استعفیٰ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ ایک دوسرے عالم دین محمد البصیری نے اور وہ بھی اسمبلی کے ممبر ہیں یہاں تک اعلان کیا کہ اگر وزیر تعلیم نے استعفیٰ نہ دیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔

عراق پر امریکی پابندیوں کی وجہ سے ہر پانچ منٹ کے بعد ایک بچہ فوت ہو جاتا ہے' اس لئے کویت سمیت تمام عرب ممالک کے علاوہ خود امریکہ کے کئی شریف لوگ عراق سے ہمدردی رکھتے ہیں اور مختلف طریقوں سے وہاں کے لوگوں کی مدد کر رہے ہیں۔ لیکن قربان جایئے یہاں کے فرقہ اہل حدیث کے جو اس مظلوم کے خلاف قراردادیں پاس کر رہا ہے! ملوکیت کے ایسے حامی تو خود عرب ممالک میں بھی نہیں پائے جاتے!

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور وفاقی شرعی عدالت کا احترام

وفاقی شرعی عدالت نے اپنے ایک حالیہ فیصلے میں یتیم پوتے

کو اپنے دادا کی میراث سے محروم کر دیا' اس فیصلے پر ڈاکٹر اسرار احمد کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی' انہوں نے اپنی خوشی کا اظہار ایک مضمون کی صورت میں کیا جو روزنامہ خبریں کی 25 جنوری کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ اس فیصلے کا اس طرح ذکر کرتے ہیں کہ شاید ان حضرات نے کشمیر فتح کر لیا ہے۔ پہلے ان کے مضمون کا متعلقہ حصہ:

"عائلی قوانین پر اب تک ایک مہر لگی ہوئی تھی۔ ایک فوجی آمر نے بالکل غلط عائلی قوانین نافذ کئے جو کہ ایک منکر حدیث کے بنائے ہوئے تھے' جنرل ضیاء الحق بھی اسلام اسلام کرتے ہوئے گیارہ برس تک ان قوانین کو تحفظ دیتے ہوئے چلے گئے۔ اس پر میں نے ان کی شوریٰ سے استعفیٰ دیا تھا کہ اگر آپ ان عائلی قوانین کے بارے میں بھی فیڈرل شریعت کورٹ کا ہاتھ کھولنے کے لئے تیار نہیں تو میرا اور آپ کا کوئی ساتھ نہیں۔ اللہ کا شکر ہے فیڈرل کورٹ نے اب اس معاملے میں بھی فیصلہ دے دیا ہے"۔

عدالت کے اس فیصلے کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے اس عدالت کا جو احترام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور دوسرے علماء کے دلوں میں ہے اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ اسی عدالت نے گھوڑ دوڑ پر جوئے کو حرام قرار دیا تھا۔ جو اسلامی احکام کے مطابق تھا۔ لیکن چھیاسٹھ علماء نے جنرل ضیاء الحق کے اشارے پر عدالت کے اس فیصلے کے خلاف اس جوئے کو جائز قرار دے دیا۔ اس وقت صرف لاہور کی گھوڑ دوڑ پر ہر سال ایک ارب روپے کا جوا ہوتا ہے۔ لیکن نہ تو کبھی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اور نہ ہی کسی اور عالم دین نے اس فیصلے کے خلاف ایسے دین فروش علماء کی مذمت کی۔ معلوم نہیں اس عدالت کی کیا حیثیت ہے کہ جس کے فیصلوں کو علماء اپنے فتاویٰ سے رد کر سکتے ہیں!

جہاں تک عائلی قوانین کی مخالفت کا تعلق ہے تو وہ بھی کھسیانی بلی کھمبا نوچے والی بات ہے۔ عدالت نے یتیم پوتے کی وراثت کے علاوہ تمام عائلی قوانین کو جو بقول ڈاکٹر اسرار احمد صاحب علامہ پرویز صاحب کے بنائے ہوئے [illegible] تعلیمات کے عین مطابق قرار دے رہے [illegible] ان تمام قوانین کو خلاف اسلام قرار دیا تھا جس کا [illegible] اسرار احمد صاحب شائع کر کے بڑی تعداد میں تقسیم کر [illegible] ہیں۔ اسی وقت راقم نے ڈاکٹر صاحب کی توجہ اس طرف [illegible] تھی کہ مودودی صاحب کی کتاب ان عائلی قوانین کا [illegible] دکھائی دیتی ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق تو مودودی صاحب بھی پرویز صاحب کے مسودے کی نقل کی ہو گی!

پاکستان میں جو عائلی قوانین نافذ ہوئے تھے وہ دراصل مصری قوانین کا چربہ تھے۔ یہ قوانین جب 1929ء میں مصر میں نافذ ہوئے تھے تو تمام علماء نے اس کی تعریف کی تھی۔ مودودی صاحب نے انہیں اردو کے قالب میں حقوق الزوجین کی شکل میں پیش کیا۔ چنانچہ بندہ نے مصری قوانین' پاکستانی قوانین اور مودودی صاحب کی حقوق الزوجین کا تقابلی مطالعہ شائع کر کے ثابت کر دیا کہ اصل میں یہ سب ایک ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ ڈاکٹر اسرار صاحب جماعت اسلامی کے پندرہ سال تک لیڈر رہے۔ انہیں حقوق الزوجین کی صورت میں یہ قوانین اسلامی تعلیمات کے خلاف نظر نہ آئے۔ تو جب حکومت نے انہیں نافذ کیا تو پرویز صاحب کے خلاف ان کا بغض جاگ اٹھا اور وہ ان کی مخالفت کرنے لگے اور اپنی جہالت کی وجہ سے اتنے لمبے عرصے تک اسے اپنے امیر کی اسلامی تحقیق کا نادر نمونہ سمجھتے رہے۔

جماعت اسلامی کی جانب سے سکھا شاہی کی حمایت

ہفت روزہ زندگی کے اپریل کے پہلے ہفتے کے شمارے میں (پروفیسر) غفور احمد صاحب نائب امیر جماعت کا ایک انٹرویو شائع ہوا ہے' جس کا عنوان ہے "نواز شریف کے پاس جنرل پرویز مشرف کو برطرف کرنے کا پورا اختیار تھا" اس انٹرویو کو ساتھ ہی روزنامہ پاکستان میں بھی شائع کیا گیا اور پمفلٹوں کی صورت میں

بھی اسے وسیع پیمانے پر تقسیم کیا گیا اس کی مشہوری کے لئے روزنامہ جنگ اور دوسرے اخبارات کی 2 اپریل کی اشاعت میں اشتہار بھی شائع کرائے گئے۔ اس اشتہاری مہم کا مقصد واضح طور پر سابق وزیراعظم کے خلاف دیئے جانے والے عدالتی فیصلے پر اثر انداز ہونا تھا جس کا اعلان 6 اپریل کو کیا جانے والا تھا۔ خیال رہے ملکی قوانین کے مطابق وزیراعظم صاحب کمانڈر انچیف تو کجا کسی نائب قاصد (چپڑاسی) کو بھی کھڑے کھڑے نوکری سے برطرف نہیں کر سکتے' اس مقصد کے لئے اگر اس کی ملازمت عارضی ہے تو اسے ایک ماہ کا نوٹس دینا ہو گا اور اگر وہ مستقل ملازم ہے تو اسے تین ماہ کا نوٹس دینا ہو گا اور ساتھ ہی وجہ بیان کرنی ہو گی' جس کے خلاف اسے عدالتی چارہ جوئی کا حق ہوتا ہے۔ لیکن جماعت اسلامی کے یہ نابغہ روزگار' نواز شریف کو بغیر کسی وجہ بتائے ملک کے سب سے بڑے عہدے دار کو کھڑے کھڑے برطرف کرنے کا اختیار دیتے ہیں۔ ایسے اختیار کو اصطلاح میں سکھا شاہی کہتے ہیں کیونکہ اس قانون پر صرف سکھوں نے اپنی حکومت کے دوران عمل کیا تھا دنیا کی اور کسی بڑی سے بڑی حکومت نے بھی' اس قانون سے اپنا دامن داغدار نہیں کیا۔

نواز شریف کے دور حکومت کو جماعت اسلامی جس طرح بدترین بدمعاش دور حکومت قرار دیتی رہی اور اس کے خلاف تحریک چلانے کی دھمکیاں دیتی رہی۔ اس کی تفصیلات کا قارئین کو اچھی طرح علم ہو گا۔ لیکن اب یکایک وہ اس کے مقدمے کے فیصلے پر اثر انداز ہونے کے لئے سکھا شاہی کی حمایت کرنے لگے ہیں۔ حالانکہ ملک کے صائب رائے حضرات کی رائے یہ ہے کہ اگر نواز شریف اپنی اس سکھا شاہی کوشش میں کامیاب ہو جاتا تو وہ ہٹلر سے بھی بدتر ڈکٹیٹر ثابت ہوتا۔ فوج جو ہمارے ملک کی طاقت کا نشان ہے آپس میں لڑنے لگتی اور ملک تباہ ہو جاتا۔

انہی دنوں اخبارات میں یہ خبر بھی شائع ہوئی تھی کہ معزول وزیراعظم کے والد صاحب نے اپنے بیٹوں کی رہائی کے لئے اربوں روپے خرچ کرنے کا فیصلہ کیا ہے تو اس کا یہی نتیجہ نکلنا تھا کہ اسلامی نظام کی داعی جماعت بھی سکھا شاہی' کی حمایت کرنے لگے۔

راقم پروفیسر غفور احمد صاحب کو پچاس سال سے جانتا ہے۔ راقم 1955ء کے تعلیمی سال میں اسلامی جمیعت طلبہ کے ہفتہ وار اجلاس میں درس قرآن دیا کرتا تھا۔ اس وقت غفور احمد صاحب ستلج ٹیکسٹائل مل میں کلرک تھے۔ جمعیت والے ان دنوں ہر دوسرے ہفتے پکنک بھی منایا کرتے تھے اور اس میں شامل ہونے والوں کا دستور تھا کہ وہ اپنا تعارف کراتے۔ صاحب موصوف نے اپنا تعارف کرایا کہ انہیں ملز والوں نے جماعت اسلامی سے تعلق کی وجہ سے نوکری سے برطرف کر دیا ہے۔ ان کے ایک ساتھی اس بات پر مسکرائے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں اپنے کسی عمل کی وجہ سے برخاست کیا گیا ہے۔ ہمارے کوثر نیازی صاحب مرحوم اپنے گاؤں میں آن ٹرینڈ پرائمری ٹیچر تھے۔ جب ٹرینڈ ٹیچر آگئے تو انہیں فارغ کر دیا گیا تو انہوں نے بھی یہی کچھ کہا کہ جماعت اسلامی سے تعلق کی وجہ سے انہیں برخاست کیا گیا ہے اور اس طرح جماعت سے مفاد حاصل کیا۔ غفور احمد صاحب ستلج ملز سے برخاست ہونے کے بعد کراچی چلے گئے اور کچھ دنوں کے بعد اپنے نام کے ساتھ پروفیسر لکھنا شروع کر دیا' بہت سے سیاستدان اسی طرح پروفیسر بن گئے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس کسی مضمون کی ایم۔ اے کی ڈگری تک نہیں۔ ایسے لوگوں سے یہی توقع کی جاتی ہے کہ وہ سکھا شاہی نظام کے علمبردار بنیں جس کا نتیجہ معاشرے کی تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

بلا تبصرہ|کھانا مشترک' نماز اپنی اپنی

تازہ ترین خبروں کے مطابق منصورہ میں ملک میں نظام اسلام نافذ کرنے کی غرض سے' ایک اجلاس میں آپس میں "تبادلہ خیالات" کے لئے آٹھ عدد دینی جماعتوں کے سربراہوں نے شرکت کی۔ اجلاس میں بتایا گیا کہ جے یو پی (ن) تحریک

جعفریہ پاکستان' جماعت اسلامی کے علاوہ پانچ دیگر جماعتوں کے سربراہ شریک ہوئے۔ اخباری رپورٹوں کے مطابق اجلاس چار گھنٹے تک جاری رہا۔ جس میں دینی جماعتوں کے قائدین نے "قومی یکجہتی" پر خصوصی زور دیا اور اپنے درمیان تمام اختلافات دور کرنے کے لئے مشترکہ جدوجہد کے عزم کا بھی اظہار کیا اور ثبوت کے طور پر کھانا باجماعت ہو کر ایک ہی میز پر کھایا۔ ورنہ وہ چاہتے تو کھانے میں بھی اختلافات پیدا کر سکتے تھے اور وہ اپنا اپنا ٹفن کھول کر علیحدہ علیحدہ بیٹھ کر بھی کھا سکتے تھے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ تو یقیناً انہوں نے اپنے "فروعی" اختلافات دور کر دیئے۔ جبکہ احتیاط کے طور پر نماز علیحدہ علیحدہ اپنی اپنی پڑھی۔

رپورٹ کے مطابق جامع مسجد منصورہ کے امام نے نماز ظہر کی امامت کی۔ تو جماعت اسلامی' جماعت اہلحدیث پاکستان' دیو بند مکتبہ فکر کے علماء نے ان کی امامت میں نماز ادا کی۔ لیکن بریلوی اور شیعہ مکتبہ فکر کے علماء' مولانا شاہ احمد نورانی' پیر اعجاز شاہ ہاشمی' قاری زوار بہادر' صاحبزادہ فضل کریم' سید ساجد علی نقوی اور دیگر رہنماؤں نے الگ الگ نماز ظہر ادا کی۔ اور یوں منصورہ میں ظہرانہ ایک اور ظہر کی نماز تین بار امام بدل بدل کر پڑھی گئی اور اجلاس کو "قومی یکجہتی" کے طور پر تمام دینی جماعتوں نے اسے اس طرح کامیاب قرار دیا جیسے بھارت اور پاکستان دورہ کشمن کو اپنے اپنے طور پر کامیاب دورہ کہہ رہے ہیں۔ (بشکریہ روزنامہ نوائے وقت 31 مارچ 2000ء)

منطق

اگر کوئی شخص گھر سے تمام چھریاں اور چاقو جمع کر کے توڑ دے کہ ان سے کوئی قتل بھی ہو سکتا ہے۔ یا دیا سلائی اٹھا کر پھینک دے کہ اس سے آگ لگ سکتی ہے یا حکومت سے مطالبہ کرے کہ ہر قسم کی گاڑیوں پر پابندی لگا دی جائے کیونکہ ان سے حادثات ہوتے ہیں تو آپ اس شخص کو پاگل قرار دے دیں گے۔ لیکن پچھلے دنوں ایک مولوی صاحب نے لوگوں کو ٹی وی اور وی سی آر کے خلاف بھڑکایا جس کے نتیجے میں لوگوں نے ایک سو کے قریب ٹی وی اور وی سی آر مولوی صاحب کے قدموں میں ڈھیر کر دیئے انہوں نے اپنے دست مبارک سے انہیں جلا دیا۔ الحمد اللہ ان کے اس عمل سے ملک میں فحاشی ختم ہو گئی ہے۔

نابالغ بالغ (یا) نکاح اور ووٹ)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں 'ووٹر کی عمر کم کر کے 18 سال کرنا انتہائی خطرناک ہے کیونکہ اس عمر میں شعور کی پختگی نہیں ہوتی" بالکل بجا فرمایا آپ نے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ شادی کے لئے شعور کی پختگی کی ضرورت ہرگز نہیں ہوتی کیونکہ ہمارے تمام مذہبی علماء شادی کے لئے بلوغت کی شرط تسلیم نہیں کرتے۔ نابالغوں کا نکاح ان کے نزدیک جائز ہے۔

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

	ایک بار	سال بھر کے لئے
ٹائٹل کے صفحات		
بیرونی ٹائٹل	1000روپے	8000 روپے
اندرونی ٹائٹل	800 روپے	7000 روپے
اندرون صفحات		
پورا صفحہ	600 روپے	5000 روپے
نصف صفحہ	400 روپے	3000 روپے
چوتھائی صفحہ	250 روپے	

مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہئے۔ اجرت اشتہار مسودہ کے ہمراہ ارسال فرمائیں۔

DARS-E-QURAN IN ENGLAND

UNDER THE MANAGEMENT OF BAZM TOLU-E-ISLAM LONDON

PLACE	TIME	DAY	CONTACT
(1) 53 Downland Drive. South Gate West. Crawley-West Sussex. RH11 8QZ	2:30	Every Last Sunday of The Month	**M.Khalil** *PHONE:* **01293-446258 OR** **Arshad Mahmood** *PHONE:* 01293-419784
(2) 373 Whitton Dene Hoonslow. Middle Sex TW 7NF	2:30	Every 3rd Sunday of The Month	**Tariq Aziz** *PHONE:* **0208-755-1099** *MOBILE:* **07939-017117**
(3) 76. Park Road. Ilford Essex. *IG1 ISF*	2:30	Every Ist Sunday of The Month	*PHONE:* **0208-553-1896** *Email:* maqbool.farhat@virgin.net
(4) **Ladies Only** 72 Hernet Drive. Clay Hall. Ilford IG5 OHG	12:30 Afternoon	Every Last Sunday of The Month	**Ms Rubina** **PH:0208-550-3893** **OR Ms Suriaya** **PH:0208-553-1896**

holding hands and driving humankind away from the light of true guidance. Iqbals's desire was to establish the true system Al Din of Holy Quran instead of the prevalent, conservative Islam. He perceived that the present system or the Islam of Quran seemed all absurd, and it was nowhere being sincerely practiced in any Muslim country in this world, leave alone the Indo-Pak subcontinent.

Any individual who has once received the light of Quran can never become pessimistic. Irrespective of all kinds of adverse situations and in the darkness of seemingly impossible circumstances he/she becomes capable of sighting a ray of hope somewhere. Iqbal had resolved to acquire a piece of land, untouched by any other system and establish the Islamic System in this natural and simple venue. We should notice, while presenting his idea of a separate electorate he never said that by so doing we will achieve freedom from the Hindu and British rule, neither he said that we would flourish economically. All these factors were of secondary importance. What he did actually say in his Allahabad address was, "By doing so, we shall be able to free Islam from the shackles of Arab monarchy." This actually was the beauty, uniqueness and simplicity of the evolutionary slogan:

What does Pakistan mean? *La ila ha illallah.*

Sadly though our response to Dr. Iqbal's lifetime of efforts has been of a kind, that if we submit our prevalent Islam to an idolater even he will howl back, "Huri! Huri!" We have exiled Allah and replaced Him with the gods of the Pharaoh, Hamman (Chief priest) and Qaroon (Treasurer).

In the times of the pioneers, it can easily be said that the Din of Islam was conspired against after its being established. In our case here, we did not even get the opportunity to realize the faintest glimpse of the system of Islam. No sooner, Pakistan came on the map of this world (and its founder Mr. Muhammad A. Jinnah was no more), the same forces which had tasted defeat, came gushing back with all intensity, force and with vengeance. These *maulanas* practically established the same old meaning of *La ila ha illallah,* which they had been preaching before its creation in India and continue to carry on their vituperation. Only to prove that the system of Islam does not need a separate state. They are the main reason, why our young generation, who after observing the present *status quo* of Islam, are constantly asking and still questioning the need for a separate homeland. It is with morose and wounded feelings we have to admit, we lost our war inspite of winning our battles. And the irony of all miseries is, we hardly find anyone who can foresee the bane and cancerous growth in our roots and foundation. These symptoms appear only when states, nations and cultures become indifferent to life. Nations are devastated and torn apart by this epidemic of indifference.

****

the consequences of this war cry. You may surmise for yourself, that during the Pakistan Movement, when they were shouting out loud,

"What does Pakistan mean? ***La ila ha illallah!"***

What was it that this Muslim League was actually trying to convey through this slogan? It becomes crystal clear; the meaning they wanted to convey was to abolish all and every type of man-made sovereignty and replace it with the sovereignty of Allah. In this slogan was also implicit the explanation of the concept of *'Tauheed,'* which again Dr. Iqbal elucidates in the following statement:

"The consequences of the concept of *Tauheed* in practical form are bound to be egalitarian, consolidation and liberation. Islam accepts neither any human sovereignty nor the authority of the priestcraft."

Islam does not entertain any form of man-made sovereignty in its system nor does it claim affiliation with religious institutions. This was the kernel of the Quranic State that was established and carved by the evolutionary hands of Prophet Muhammad (PBUH), who was able to proclaim for all times to come, in the words of Allama Iqbal:

کس دریں جا سائل و محروم نیست
مولا، حاکم و محکوم نیست

"Now there is no difference between master and slave. As we all belong to Allah."

Quran, in fact excluded religious autonomy and along with monarchy it expelled them out of its system. As to what we (Muslims) of this nation have done to the same system of Islam, it would be better if we read again, in the words of the great visionary Iqbal from his famous book *Javaid Nama!*

خود طلسم قیصر و کسریٰ شکست
تا نہال سلطنت قوت گرفت
از ملوکیت نگہ گردد دگر

خود سر تخت ملوکیت نشست!
دین او نقش از ملوکیت گرفت
عقل و ہوش و رسم و رہ گردد دگر

"In other words, the pioneers of this culture that had erased monarchy, was reintroduced and replaced again by us. Apparently, we are told that it was merely a political upheaval, but Dr. Iqbal is adamant, that it was not so. By calling and labeling the system of DIN just another form of theocracy, we did change the system of Din into monarchy.

All this happened by the support.... no, actually it came about solely by the hands of religious bodies. Until today, monarchy and religious hegemony together are

and do good deeds. It was the same old conservative, stale and dilapidated concept of 'worship' that Maulana Azad was preaching. The Hindus were supporting this view of Maulana Azad and relaying it all over British India, as they could not understand and still are considering the idea of true Islam as preposterous.

When Dr. M. Iqbal presented to the Muslims, his idea for a separate homeland in his 1930 *All India Muslim League* annual address at Allahabad, it was not because of any incidental reaction or *lapis calami*. His whole life went in trying to elucidate the meaning of *La ila ha illallah*. In his publication *Ramoose e baikhudi* he emphasizes the plight of humankind before the revelation of the Holy Quran in the following verse:

بود انساں در جہاں انساں پرست
ناکس و نابود مند و زیر دست

Here the words (Hero worship) انسان پرست need our serious consideration, which means to include all types of man-made systems, especially the alliance of theocracy and monarchy, that has annihilated the spirit of mankind. Iqbal further speaks on this issue in his book *Ramooz e baikhudi:*

صاحب اورنگ و ہم پیر کشت باج برکشت خراب او نوشت
در کلیسا اسقف رضواں فروش بہر ایں صید زبوں دامے بدوش

Meaning that the have-nots, farm workers and hard working labourers have been looted from both fronts. On the one hand the government took their money as taxes, and whatever little remained was sucked by the religious institutions. During the revolutionary period of the Holy Quran humankind was submerging in this quicksand, where on one side were the humiliating and degrading chains of the government and on the other were the monstrous, vicious circles of religious bodies. It was Muhammad's revolution that shattered and cut apart these age-old vilifying and atrocious chains of the Pharaohs and expelled the mental bondage of Hammans (Pharaoh's priest) and liberated the suffocating and choking humanity to fresh vistas and verdure.

Now the historians often question as to what was the driving force or *leit motive* of this sublime revolution. Under the guidance and in the light of the Holy Quran, Dr. Iqbal explained that this was the miracle of their belief in *"La ila ha illallah."* This sentence is composed of two parts, *La ila* and *illallah*. The first part *La ila* is the negation of every kind of human authority, and *illallah*, the second portion is the affirmation of the rule of Allah's book. By now, you all must have taken into consideration, how clearly, the visionary of Pakistan explained the meaning of *La ila ha illallah*. As a matter of fact, all his life Dr. Iqbal tried to explain the meanings of these words in various styles.

The words *La ila ha illallah* are a war cry and pose a challenge against any kind of system or authority over humankind. Now Iqbal was also fully conscious of

Hajj and all other essentials required in Islam. The Muslim, according to Hindus, is free to carry on his/her 'worship of Allah' in an independent Hindustan (India). This is precisely what the Muslim priestcraft persisted that Islam means and this to them was the meaning of *La ila ha illallah*. Furthermore, they said, to accomplish these rituals, one does not need a separate nation.

We were proclaiming that the word 'Allah' does not mean the one who needs worship and *'ebaadath'* does not mean praying. The word 'Allah' means the one and the only Supreme authority and *ebadath* means total obedience to the Law of Allah. Hence put together the words ***La ila ha illallah*** mean that nobody else has the right or authority to govern mankind except Allah (in practical form this means the rule of Allah's Holy Book of Quran). From the word ***ebaadath*** we should understand it to mean complete submission to the commands of Allah.

(The meanings of la ila ha illallah extracted by the priests and *All India Muslim League* are completely different from each other. Both views of life are poles apart.)

The pragmatic source of Allah's authority is the Holy Book of Quran. Islam signifies the sovereignty of the Holy Quran. No state, power or nation in the world is giving us assurance of implementing this Islam, neither is it possible for us to give it practical shape in a non-Muslim government. According to the Quran, no human has any authority over any other human. Man's sovereignty in any form over another human is alien to the concept of Islam, which would mean giving in to other man-made gods. Therefore this type of rule is tantamount to Heathendom and *'Shirk'* (Placing another god besides God). Man-made systems include ancient Monarchy and all types of present day governments. In fact, the acknowledging of fiqa (Islamic schools of jurisprudence) is also against the true spirit of Islam, as these laws were compiled by human penmanship. The average individual at present is oblivious to the true and authentic meanings of ***La ila ha illallah.*** These meanings are capable of unfolding only in the government of Quran. This type of rule or system can only emerge and flourish in an independent state. It was the inherent need of Islam to demand Pakistan to accomplish this type of sovereignty.

In the struggle for Pakistan, the actual conflict was in the bringing about of the authentic significance of *La ila ha illallah*. It was not a war against the Hindu nor the British, as they were not negotiating on religion at all. If ever they did mention or talk about Islam as a religion, it was of secondary importance. The intrinsic cause of conflict was between *All India Muslim League* (later called Pakistan) and the *Maulanas* (religious autonomy of priestcraft). If the Hindu ever argued against the establishment of Pakistan from a religious perspective, it was because from their point of view church and state had nothing to do with each other. Or else when the Muslim priestcraft put forward the same argument, as for example, in the case of Maulana Abul Kalam Azad's view, who was saying that Islam is no more than to worship Allah

What Does Pakistan Mean?

La ila ha illallah

This free rendering into English by Aboo B. Rana Deen is a speech by Mr. G.A. Parwez, on the occasion of the Independence Day of Pakistan 1981 A.D. It is not directed towards any individual nor it is meant to disrespect anybodys religious belief. It has been produced only for the purpose of bringing forward genuine facts of our historical past.

When the sun was rising on the 14th of August 1981, we were overwhelmed with feelings. Our soul tormented, the mind exploded for a living spark, escalating into a volcanic eruption. But patience in our zeal for idealism demanded the transformation of its lava again into little sparkles.

Actually, the vivacious and refreshing memories of Pakistan Movement have sprung from the core of the heart many a times. Leading the list of these memories were a few words, which crystallized the significance, purpose and aim of Pakistan. Rarely do we come across these kinds of words. The words became so popular; they were on the lips of every individual, in the inchoate years of Pakistan. Those words were:

What does Pakistan Mean? *La ila ha illaallah!* لا الٰہ الا اللہ

Coincidentally, in an interview in a Lahore TV program on August 12, 1981 it came to our knowledge that the innovator of these words was Prof. Asghar Saudaii. He wrote an anthem in 1944. We want to convey our blessings to Mr. Saudaii for his lively and dynamic words. We also desire and beg the Almighty to grant this nation the awareness to apprehend the significance of this sentence. However, the meaning of Pakistan was very emphatically understood during its formative years, by the slogan, *"What does Pakistan mean? La ila ha illallah."* Needless to say, after the creation of Pakistan nobody took the trouble to even explain the true meaning of these words to the social and cultural milieu.

During the Pakistan movement, the actual conflict was between those who were demanding Pakistan and, the institution of priestcraft, on the issue of the concept behind the sentence *La ila ha illallah.* لا الٰہ الا اللہ

The priests *(maulanas)* were and still are adamant that these words mean that we must not 'worship' any other god or idol except the one and only "Allah!" Whereas the *All India Muslim League* was exclaiming, these words mean that we must totally submit to the law of one and only Allah! The maulanas or priests were saying that the Hindu assured the Muslim his right to pray, fast, offer zakat, perform